حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

خلیفہ راشد

22 رجب (2 جون)
یوم وفات
حضرت امیر معاویہ
رضی اللہ عنہ

سلطنت اسلامیہ کی عظیم الشان توسیع

سلطنت اسلامیہ کی توسیع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں



مؤلف
امیر کشور خطابت
غازی ملت علامہ سید محمد ہاشمی میاں اشرفی جیلانی مدظلہ

بہ فیضان نظر
جانشین حضور محدث اعظم ہند شیخ الاسلام
حضرت علامہ مولانا سید محمد مدنی میاں اشرفی جیلانی صاحب قبلہ
کچھوچھہ شریف

والضحیٰ پبلی کیشنز

حضرت امیر معاویہ

خلیفہ راشد

امیرِ کشورِ خطابت

غازیٔ ملت علامہ سید محمد ہاشمی میاں اشرفی جیلانی مدظلہ

والضحیٰ پبلی کیشنز

داتا دربار مارکیٹ لاہور۔ پاکستان

0300-7259263,0315-4959263

نام کتاب — حضرت امیر معاویہ **خلیفۂ راشد**

مصنف — امیر کشورِ خطابت غازیِ ملت حضرت علامہ سیّد محمد ہاشمی میاں اشرفی

بہ نگاہِ کرم — شیخ الاسلام سلطان المشائخ حضرت علامہ سیّد محمد مدنی میاں اشرفی جیلانی

تصحیح و نظر ثانی — خطیب ملت مولانا سیّد خواجہ معزالدین اشرفی، مولانا محمد مجتبیٰ اشرفی

زیر اہتمام — ملک التحریر علامہ مولانا محمد یحییٰ انصاری اشرفی

حسبِ اِرتضا — محمد رضاء الحسن قادری (مؤسس دارُالاسلام، لاہور)

ناشر — **والضحیٰ** پبلی کیشنز، دربار مارکیٹ، لاہور، پاکستان 37300651

لیگل ایڈوائزر — محمد صدیق الحسنات ڈوگر؛ ایڈووکیٹ ہائی کورٹ لاہور

اِشاعت بار اول — شیخ الاسلام اکیڈمی، حیدر آباد دکن (تعداد:۵۰۰۰)

〃 بار دوم — ذوالحجہ 1435ھ/اکتوبر 2014ء (تعداد:۲۰۰۰)

قیمت — 180 روپے

سیل پوائنٹس

مکتبہ فیضانِ مدینہ؛ مدینہ ٹاؤن، فیصل آباد 0346-6021452، 0312-6561574

مکتبہ نوریہ رضویہ پبلی کیشنز؛ فیصل آباد، لاہور

مکتبہ برکات المدینہ؛ کراچی

مکتبہ غوثیہ ہول سیل؛ کراچی

احمد بک کارپوریشن؛ راول پنڈی

البحت بک سیلرز، فیصل آباد

مکتبہ قادریہ؛ لاہور، گجرات، کراچی، گوجراں والا

نظامیہ کتاب گھر، اردو بازار، لاہور

ہجویری بک شاپ؛ گنج بخش روڈ، لاہور

مکتبہ حنفیہ سیفیہ، بہاول پور

دار الاسلام؛ جامع مسجدِ روحی، بھاٹی گیٹ، لاہور

انوارُالاسلام؛ چشتیاں، بہاول نگر

تفہیم الاسلام فاؤنڈیشن، دینہ

رضا بک شاپ؛ گجرات

مکتبہ شمس و قمر؛ بھاٹی چوک، لاہور

مکتبہ اہل سنت؛ فیصل آباد، لاہور

دارُالنور؛ داتا دربار مارکیٹ، لاہور

ضیاءالقرآن پبلی کیشنز؛ لاہور، کراچی

مکتبہ فیضانِ سنت، ملتان، گوجراں والا، لاہور

فہرست مضامین

پیشِ لفظ

آج ہمارے پیش نظر جو حالات ہیں، عصر نو میں جو نقطہ ہائے نظر رائج ہیں وہ سب ماضی کی دین ہیں۔ اسی لیے ان حالات وکوائف کو صحیح طور پر معلوم کر کے ایسی ترتیب دینا جس سے واضح ہو جائے کہ موجودہ حالات عہد گذشتہ کے کن واقعات و حالات کے نتیجے میں پیدا ہوئے ہیں اسی کا نام تاریخ ہے۔

اسی بات کو دو جملوں میں بھی کہا جا سکتا ہے کہ فطرت کے واقعات نے انسان کے حالات میں جو تغیرات پیدا کیے ہیں اور انسان نے عالم فطرت پر جو اثر ڈالا ہے ان دونوں کے مجموعے کا نام تاریخ ہے۔

جب ۱۴۳ھ میں تفسیر، حدیث اور فقہ کی تدوین شروع ہوئی تو اسی کے ساتھ تاریخ و رجال میں بھی مستقل کتابیں لکھی گئیں۔ موسیٰ بن عقبہ (المتوفی ۱۴۱ھ) نے سرور دو عالم ﷺ کے مغازی قلم بند کیے تھے۔ اور خلیفہ منصور عباسی کے لیے محمد بن اسحاق (المتوفی ۱۵۱ھ) نے سیرت نبویہ پر مشتمل ایک کتاب لکھی۔ اس کے بعد تو تاریخی کتابوں کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا جن میں ابو مخنف اور واقدی نے غیر معمولی شہرت حاصل کی۔ مشاجرات صحابہ اور واقعہ کربلا کی نوے فیصد روایات کے اصل راوی حضرت واقدی اور جناب ابو مخنف لوط بن یحییٰ کوفی ہیں۔

حضرت واقدی کے بارے میں صاحب اشرف السیر مفتی شریف الحق اعظمی ارشاد فرماتے ہیں

'امام واقدی کا ثقہ، عادل، مستند ہونا ہی صحیح و مرجح ہے ان کی مرویات دربارہ احکام بھی مقبول ہیں اور سیر و مغازی کے وہ بالاتفاق امامِ مستند بھی ہیں'۔

(اشرف السیر حصہ اول ص ۲۷)

اس دعوے کے ثبوت میں مفتی صاحب میزان الاعتدال کی ایک چھوٹی سی عبارت نقل فرماتے ہیں:

وکان الٰی حفظه المنتهی فی اخبار والسیر والمغازی والحوادث وایاصر الناس وغیر ذلك

امام واقدی کے ہی حفظ تک اخبار مغازی، حوادث وواقعات وغیرہ میں منتہی ہے۔

کیا میزان کی مذکورہ بالا عبارت سے حضرت واقدی کا ثقہ عادل اور امام مستند بالاتفاق ہونا ثابت ہوتا ہے؟ عبارت میزان سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ تاریخ وسیر کا دفتر، مغازی اور حوادث کی روایتوں کا انبار حضرت واقدی کی ذہانت کا مرہونِ منت ہے اگر واقدی کو نظر انداز کردیا جائے تو تاریخ وسیر کا بحر ذخار، ماءِ قلیل بن کے رہ جائے گا۔

اشرف السیر کے مصنف ایک دوسرے مقام پر عینی کا حوالہ دیتے ہوئے یہ نتیجہ نکالتے ہیں:

'امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے مشائخ میں سے ہونا ہی امام واقدی کی جلالتِ شان کے لیے کافی ہے۔ اس سونے پر سہاگہ یہ کہ عبداللہ ابنِ مبارک جو امام بخاری کے مشائخ میں سے ہیں اور اُن کے ہم پلہ دوسرے ائمہ نے اُن کی تعریف کی ہے۔' (اشرف السیر حصہ اول ۲۳)

اس مقام پر دل ودماغ کو مرعوب کرنے کے لیے حضرت واقدی کے لیے کچھ جذباتی الفاظ اور ان کی پوزیشن صاف کرنے کے لیے بعض بھاری بھرکم مقتدایانِ عالم کے اسمائے گرامی استعمال کیے گئے ہیں۔ حضرت واقدی کا امامِ شافعی کے استاد وشیخ ہونے کی بنیاد پر ہی صاحب جلالت شان ہونا' نیز امام بخاری کے شیخ حضرت امام عبداللہ ابن مبارک کا ممدوح ہونا، بجائے خود محل نظر ہے۔

شیخ الاسلام حضرت ابن حجر علیہ الرحمہ تہذیب التہذیب میں تحریر فرماتے ہیں:

قال البخاری الواقدی متروك الحدیث ترکه احمد و ابن مبارك و ابن نمیر و اسمٰعیل بن زکریا و قال فی موضع آخر کذبه احمد وقال معاویة بن صالح قال احمد بن حنبل الواقدی کذب وقال النسائی فی الضعفاء الکذابون المعروفون بالکذب علی رسول الله صلی الله علیه وسلم اربعة الواقدی بالمدینة .... قال ابن المدنی عنده عشرون الف حدیث یعنی ماکون الاصله وقال بندار مارأیت اکذب منه .... قال ابوزرعة الرازی و ابوبشیر الدولابی والعقیلی متروك الحدیث عن ابی حاتم از قال کان یصنع ....

امام بخاری نے فرمایا واقدی متروک الحدیث ہیں۔ امام احمد بن مبارک، ابن نمیر اور اسمٰعیل بن زکریا نے اُن کو ترک کیا ہے دوسرے مقام پر احمد نے واقدی کو کاذب کہا ہے۔ معاویہ بن صالح نے کہا کہ امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ واقدی کذاب ہیں۔ امام شافعی نے فرمایا کہ واقدی کی کتابیں سراپا جھوٹ ہیں۔ امام نسائی نے فرمایا کہ حضور ﷺ پر جھوٹ بولنے والے چار مشہور ومعروف ہیں جن میں ایک واقدی ہیں ...... ابن مدنی نے فرمایا کہ واقدی کے پاس بیس ہزار احادیث ہیں جن کی کوئی اصل نہیں .... ابو زرعہ رازی، ابوالبشیر دولابی اور عقیلی نے فرمایا کہ واقدی متروک الحدیث ہیں ابو حاتم نے فرمایا کہ واقدی روایتیں گڑھتے ہیں۔

(تہذیب ج۹ ص۳۶۴ تا ۳۶۷)

حافظ شمس الدین الذہبی المتوفی ۷۴۸ھ اپنی معرکۃ الآرا جرح وتعدیل کی کتاب 'میزان الاعتدال' میں لکھتے ہیں:

'امام احمد نے فرمایا **هو کذاب یقلب الاحادیث** (واقدی کذاب ہیں۔ حدیثوں میں اُلٹ پھیر کرتے ہیں)'۔

ابن معین کا قول ہے کہ وہ ثقہ نہیں اور بعض دفعہ فرمایا کہ اُن کی حدیث نہ لکھی جائے امام بخاری اور ابو حاتم نے فرمایا کہ اُن کی حدیث نہ لکھی جائے۔ امام بخاری اور ابو حاتم نے فرمایا کہ واقدی متروک الحدیث ہیں۔

دارقطنی نے فرمایا **فیه ضعف** (واقدی ضعیف ہیں)۔

ابن عدی کا قول ہے اُن کی حدیث محفوظ نہیں۔ ابن مدنی فرماتے ہیں **لا ارضاه فی الحدیث ولا فی الانساب ولا فی شیئ** 'واقدی کو میں حدیث وانساب بلکہ کسی چیز میں بھی پسند نہیں کرتا' (میزان الاعتدال ج۳ ص۱۱۰ تا ۱۱۱)

علامہ ابن جریر طبری کے ایک قول سے حضرت واقدی کی ذہنی ساخت اور میلانِ رجحان واضح ہو جاتا ہے اور اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہتا کہ واقدی کو حاطب اللیل سمجھا جائے۔ علامہ فرماتے ہیں:

اور واقدی نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی جانب مصریوں کی روانگی کے اسباب و وجوہ بتانے میں بہت سی باتیں ذکر کی ہیں۔ جن میں بعض کو میں نقل کر چکا ہوں اور بعض کے ذکر سے قصداً اعراض کیا۔ کیونکہ **کراهة ذکره بشاعة بسبب کراہت** اُس کے ذکر کرنے سے مجھے گھن آتی ہے'۔ (تاریخ طبری جلد۳ ص۳۹۱)

گویا حضرت واقدی کی بعض مرویات ایسی بھی ہیں جن کے پڑھنے سے گھن آتی ہے اور علامہ ابن جریر جیسا 'جمع روایات' کا شوقین بھی نقل کرنے سے گھبراتا ہے یہ مداح واقدی کے لیے مقامِ عبرت ہے۔

اس پوری گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ امام بخاری، امام احمد، ابن نمیر، اسمٰعیل بن زکریا، معاویہ بن صالح، امام شافعی، امام نسائی، ابن مدنی، نبدار، ابوزرعہ رازی، دولابی، عقیلی، ابو حاتم، دارقطنی، اور ابن عدی جیسے علماء روزگار اور محبوبانِ پروردگار کے نزدیک مصنف اشرف السیر کے ممدوح حضرت واقدی، ناقابلِ اعتبار، کذاب، متروک، ضعیف، غیر ثقہ اور ناپسندیدہ ہیں۔

مصنف اشرف السیر کی تسکین کے لیے میں نے اتنی تفصیل سے کام لیا۔ غور فرمایئے کہ جس واقدی کے بارے میں حضرت امام شافعی، حضرت امام احمد بن حنبل، حضرت امام بخاری اور حضرت امام عبداللہ ابن مبارک کی بالترتیب رائے یہ ہے:

قال الشافعی کتب الواقدی کذب قال

احمد بن حنبل الواقدی کذاب قال

البخاری الواقدی متروک الحدیث اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

ترکه احمد و ابن مبارک

ان واضح اشارات کی روشنی میں فاضل مصنف کے اس حسن ظن کا کوئی علمی پایہ نہیں کہ واقدی، امام شافعی کے شیوخ میں سے ہیں۔ حضرت واقدی کی اس مخدوش پوزیشن سے متاثر ہو کر فاضل مصنف ان الفاظ میں اعتراف کرتے ہیں:

'ان پر (یعنی واقدی پر) بعض علماء نے سخت سے سخت جرحیں کی ہیں جیسا کہ میزان اور تہذیب میں موجود ہے اور آج کل تو اس کو اجماعی مسئلہ بنانے کی کوشش ہو رہی ہے'۔ (اشرف السیر حصہ اول ص۲۲)

واقدی کو کذاب اور متروک کہنے والوں میں حضرت امام احمد بن حنبل جیسے مجتہد فی المذہب اور امام بخاری جیسے امیر المومنین فی الحدیث ہیں۔ ایسی بے مثال اور لاجواب شخصیتوں کی طرف 'بعض علماء' لکھ کر اشارہ کرنا، دیانتِ تحقیق کے خلاف ہے 'بعض علماء' سے بہتر تو یہ تھا کہ بعض اکابر لکھا جائے۔ حالانکہ 'بعض' کہنا بھی غلط ہے۔ کیونکہ 'اکثر' کا یہی خیال ہے جیسا کہ تہذیب اور میزان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔

میزان الاعتدال میں علامہ ذہبی نے چند اقوال واقدی کے ثقہ ہونے کے بارے میں ضرور نقل فرمایا ہے۔ لیکن آخر میں نہایت واضح الفاظ میں یہی فیصلہ کیا ہے۔

واستقرا الاجماع علی وهن والقدی واقدی کے ضعف پر اجماع منعقد ہو چکا ہے۔

گویا 'وھن الواقدی' پر اتفاق علماء فی الواقع علامہ ذہبی کے ہی عہد میں یا اس سے

پہلے ہی ہو چکا تھا جب ہی تو علامہ ذہبی استقرار اجماع کا ذکر اپنی کتاب میں کرتے ہیں اس لیے فاضل مصنف کا یہ کہنا صحیح نہیں کہ آج کل تو اس کو اجماعی مسئلہ بنانے کی کوشش ہو رہی ہے۔

جو شعورِ تحقیق رکھتا ہے وہ اس صورت حال کو دیکھ کر یہی فیصلہ کرے گا کہ واقدی بعض کے نزدیک ثقہ ضرور ہیں مگر اکثر مجتہدین و محدثین کی نظر میں کذاب، متروک اور ناقابل اعتماد ہیں۔

جناب واقدی کے اسی مشق ستم نے تاریخی کتابوں کو ایسی طوالت بخشی جس نے صداقت کو بے پناہ مجروح کیا اور آج تاریخ کا پورا دفتر مخدوش مشکوک اور محتاج نقد ونظر ہو گیا۔ اسی پر بس نہیں بلکہ مورخین نے بھی نقل دَر نقل کو ایسا محبوب مشغلہ بنالیا جس نے تاریخ کے بارے میں غیر معمولی بے اعتمادی پیدا کر دی۔ مثلاً امام ابن کثیر نے بعض ایسی روایتوں کو جنھیں وہ خود صحیح نہیں سمجھتے تھے صرف اس لیے نقل فرماتے ہیں کہ اسے علامہ ابن جریر نے بیان کیا ہے۔ وہ اپنے طرزِ عمل کا اعتراف ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

ولولا ابن جرير وغيره من الحفاظ والائمة ذكروه ما سقته.	اور اگر ابن جریر وغیرہ جو حفاظ اور ائمہ میں سے ہیں ان کو بیان نہ کرتے تو ہم بھی ترک کر دیتے۔

اس نقل دَر نقل کے جذبہ کم ہمتی کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ تاریخ صحیح اور سقیم اور رطب و یابس کا مجموعہ بن گئی۔ اسی لیے ہم ایسی تمام کتابوں کو 'اسلامی تاریخ' تسلیم نہیں کرتے اور حق بھی یہی ہے، کہ طبری ہو یا طبقاب ابن سعد۔ البدایہ والنہایہ ہو یا تاریخ ابن خلدون یہ سب اسلامی تاریخ نہیں بلکہ مادۂ تاریخ ہیں۔

تحقیق و ریسرچ اور غیر معمولی جدوجہد کے ذریعہ ہم انھیں رطب و یابس اور صحیح و سقیم روایتوں سے صحیح اور قابلِ قبول روایات کو علیحدہ کر کے ایک اسلامی تاریخ پیش کر سکتے ہیں۔ لیکن بغیر تحقیق و ریسرچ انھیں کتابوں کو تاریخ اسلام باور کرنا اہل اسلام پر ظلم کرنا ہے۔

لہٰذا اسلاف کی تاریخ پیش کرنے کے لیے لامحالہ ہمیں تاریخ کی تنقیح کرنی پڑے گی۔ جمع روایات کے شوق کو نظر انداز کر کے حقائق کو نہایت دقیق النظری اور خلوص وللہی سے پیش کرنا ہوگا۔ ہم اسلاف کے بارے میں کسی ایسی روایت کو جس میں کوئی کمزوری بیان کی گئی ہو۔ آنکھ بند کر کے قبول نہ کریں گے بلکہ راوی کو پرکھیں گے کہ کہیں وہ غلط گو اور کذاب تو نہیں ہے۔ تدوین تاریخ کا شعور خود ہمیں قرآن حکیم عطا کرتا ہے:

﴿يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًاۢ بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ﴾ (الحجرات / ٦)	اے ایمان والو اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تحقیق کرلو کہ کہیں کسی قوم کو بیجا نہ ایذا نہ دے بیٹھو پھر اپنے کیئے پر پچھتاتے رہ جاؤ۔

اسی لیے راقم الحروف نے اس کتاب کی تالیف کے وقت قرآن و حدیث مسلک صحابہ اور فقہ اسلامی کو پیش نظر رکھا تا کہ نتائج غیر اسلامی اور غیر تحقیقی برآمد نہ ہونے پائیں۔

یہ کتاب آپ کو بالتفصیل بتائے گی کہ امیر المومنین کون تھے اور انہوں نے ہمیں کیا درس دیا ہے؟

سید محمد ہاشمی اشرفی

ومن یکن یطعن فی معاویہ
فذاک کلب من کلاب الھاویہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن کرنیوالا دوزخ کا کتا ہے

فتحِ مکہ

فتح مکہ یا اُس کے بعد ایمان لانا کوئی بدقسمتی کی بات نہیں بلکہ یہ صرف خوش نصیبوں کو ہی حاصل ہوا جس کے نتیجہ میں وہ ان نفوس قدسیہ میں شمار ہونے لگے جو افضل اُمت ہیں اور جماعتِ صحابہ کے نام سے قیامت تک منفرد رہیں گے۔

کوئی چاہے ہجرت سے پہلے ایمان لایا ہو یا ہجرت کے بعد، خواہ فتح مکہ سے پہلے اسلام قبول کیا ہو یا فتح مکہ کے بعد...... سبھی گناہوں سے پاک وصاف ہوگئے کیونکہ اسلام پچھلے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ اشاد ربانی ہے:

﴿قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْلَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ﴾ (الانفال/۳۸)

آپ کافروں سے فرما دیجئے کہ اگر وہ اپنے کفر سے باز آجائیں گے تو اُن کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

اسی لیے عند الفقہا یہ بات متفق علیہ ہے کہ گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسا ہوجاتا ہے کہ گویا اُس نے گناہ ہی نہ کیا ہو۔ **التائب من الذنب کما لا ذنب لہٗ** ۔

کسی شخص سے محض اس بنیاد پر کہ وہ ہاشمی یا اُموی ہے نفرت کرنا اہل حق کا شیوہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔ یہ تو خوارج اور روافض کا اندازِ فکر ہے جس طرح خاندان بنی ہاشم میں ابولہب جیسے گرم اور ابو طالب جیسے نرم کافروں کا وجود رہا ہے ویسے ہی گرم و نرم خاندان بنی اُمیہ میں بھی دیکھے گئے۔

جن اُمویوں نے قاسم نعمت ﷺ کی کالی کملی میں پناہ لے لی ہے اور جنگی خداداد قائدانہ صلاحیتوں سے اسلام ایک سدا بہار گلشن بن گیا ہے اُن کو تنقید کی سان پر رکھنا انتخابِ نبوی کو چیلنج کرنا ہے۔

گیارہ اُموی اصحاب:-

۱۔ حضرت عثمان ابن عفان اُموی
۲۔ حضرت خالد بن سعید "
۳۔ حضرت سعید بن سعید "
۴۔ حضرت عمرو بن سعید "
۵۔ حضرت ابان بن سعید "
۶۔ حضرت عبداللہ بن سعید "
۷۔ حضرت عثمان بن سعید "
۸۔ حضرت ابوسفیان بن حرب "
۹۔ حضرت معاویہ بن ابی سفیان "
۱۰۔ حضرت یزید بن ابی سفیان "
۱۱۔ حضرت قتاب بن اسیر "

کہاں ہیں وہ لوگ جو اُمویوں پر طعنہ زنی کرتے ہیں۔ لائیں ایک ہی خاندان کے ایسے گیارہ آدمیوں کی فہرست جنھیں نگاہِ رسالت نے چُن کر منصبِ کتابت وحی اور منصبِ امارت وسیادت عطا کیا ہو۔

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ:-

آپ قریش ہی کی ایک شاخ 'بنواُمیہ' کے ایک ممتاز فرد ہیں۔ ابوجہل کے مرنے کے بعد کفارِ قریش نے آپ کو اپنا سردار بالاتفاق منتخب کیا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ تمام قریش کے نزدیک آپ کی قائدانہ صلاحیتیں مسلم تھیں۔

امام حجر بن عسقلانی نے طبقات ابن سعد کے حوالے سے نقل کیا کہ نبی کریم ﷺ کو جب کفارِ قریش تکلیف واذیت پہنچاتے تو آپ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے گھر میں بسا اوقات پناہ لیا کرتے تھے۔ (الاصابہ ج ۳ ص ۱۷۹)

مظالم کفار سے تنگ آکر محمد عربی ﷺ جس گھر میں پناہ لیتے تھے فتح مکہ کے دن محسن اعظم نے اُسی گھر کو دُنیائے اسلام کے لیے دارالامان قرار دے دیا اور ارشاد فرمایا:

من دخل دار ابی سفیان فھو آمن جو بھی ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے مامون ہے

مذکورہ بالا تاریخی شہادت اور نبوی ارشاد سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور پیغمبر اسلام کے درمیان عہد جاہلیت میں محض نظری اختلاف تھا ورنہ برادرانہ تعلقات استوار تھے جو ایمان لاتے ہی نیاز مندانہ صورت میں بدل جاتے ہیں۔

جب غلط فہمیوں کے ایک ایک پردے ذہن باطل سے اُٹھ گئے تو نیّرِ نبوت ﷺ کی دلکش کرنیں براہِ راست سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے دل و دماغ کو منور و مجلیٰ کرنے لگیں تو انھوں نے قدمِ نازِ رسول پر جبینِ عقیدت و محبت جھکا کر یہ سند حاصل کی۔

من دخل دار ابی سفیان فھو آمن.

جو رہتی دُنیا تک اُن کی جلالت شان اور طہارتِ قلب ولسان پر شاہد عدل رہے گی۔

مشہور و معروف تابعی سعید ابن المسیب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جنگ یرموک کے روز جب کہ مجاہدین اسلام رومیوں سے نبرد آزما تھے۔ میدانِ جنگ میں ایک ہُو کا عالم طاری تھا۔ شدت جنگ کی وجہ سے سب کے سب چپ تھے لیکن اُس وقت ایک آدمی ایسا تھا جو بآواز بلند کہہ رہا تھا:

یا نصر اللہ اقترب یا نصر اللہ اقترب. اے مدد الٰہی جلد آ۔ اے مدد الٰہی جلد آ۔

میں نے اپنا سر اٹھا کر جو دیکھا تو وہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ تھے جو اپنے فرزند ارجمند یزید بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما کے جھنڈے تلے رومیوں کو فی النار والسقر کر رہے تھے۔ [۱]

اسی جنگ یرموک میں حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی دوسری آنکھ بھی شہید ہوگئی۔ [۲] اور پہلی آنکھ طائف کے محاصرہ میں کام آئی [۳]۔ اس طرح حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ جنگ یرموک کے بعد ظاہری بینائی سے کلیتہً محروم ہوگئے۔

---

[۱] اسد الغابہ ج ۵ ص ۲۱۶، [۲] اسد الغابہ ج ۵ ص ۲۱۶، [۳] الاستعاب ج ۲ ص ۷۱۰۔

اس معرکہ کی ایک یہ بھی خصوصیت ہے کہ عورتیں بھی اس میں شریک تھیں اور نہایت بہادری سے لڑیں ۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ماں ہندہ حملہ کرتی ہوئی بڑھتی تھیں تو یہ پکارتی تھیں **عضرو الغطفان بسیوفکم** حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بہن جوریہ نے بھی بڑی دلیری سے جنگ کی ۔ ۱

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا گھر وہ گھر ہے جس پر بہتوں کو رشک ہے ۔ حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ خود صحابی ، اُن کی زوجہ محترمہ حضرت ہند صحابیہ ، اُن کے دولڑکے حضرت یزید رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی صحابی ہیں اور آخری خلیفۃ المسلمین بھی ۔ اُن کی ایک صاحبزادی حضرت جوریہ رضی اللہ عنہا صحابیہ اور دوسری صاحبزادی حضرت ام حبیبہ زوجۂ رسول اور سارے مومنین کی ماں ہیں ۔

کیا اب بھی 'بیت ابی سفیان' کے 'بیت النور' ہونے میں کوئی شک و شبہ کی گنجائش ہے؟
اب بھی اگر کوئی ان نفوس قدسیہ کے طہارتِ نفسی پر شبہ کرتا ہے تو بیشک وہ کور بخت اور ایمانی بصیرت سے یک قلم محروم ہے ۔

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ :-

اردو ادب کے ایک کامیاب انشاء پرداز اور پاکستان کے مشہور ماہنامے کے مدیر نے خواہ مخواہ تاریخ کی بنجر زمین پر تخم ریزی کرنے کی کوشش کی اور بلا وجہ سبائیوں کے چبائے ہوئے لقموں کو دوبارہ زینت دسترخوان بنانے کی سعی ناکام فرمائی چنانچہ ایک مقام پر اپنی دقیق النظری کو ان الفاظ میں ظاہر کرتے ہیں :

'حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف جو شورش برپا کی گئی اس کے متعلق یہ کہنا کہ وہ

۱ الفاروق ص ۱۴۵ ۔

کسی سبب کے بغیر محض سبائیوں کی سازش کی وجہ سے اُٹھ کھڑی ہوئی تھی یا محض اہل عراق کی شورش پسندی کا نتیجہ تھی ۔ تاریخ کا صحیح مطالعہ نہیں ۔ اگر لوگوں میں ناراضی فی الواقع موجود نہ ہوتی تو کوئی سازشی گروہ شورش برپا کرنے اور صحابیوں اور صحابی زادوں تک کو اس کے اندر شامل کر لینے میں کامیاب نہ ہوسکتا تھا .... عام لوگوں کا ہی بلکہ اکابر صحابہ تک میں ناراضی پائی جاتی ہے' ۔ ۱

دور فتنہ ..... کی تاریخ کے معاملے میں ہم کسی تاریخی کتاب کو اپنا ماخذ قرار دیں اس کا جواب مدیر موصوف (ابوالاعلیٰ مودودی) ہی سے سنیئے :

'ابن جریر طبری ہیں' جن کی جلالت قدر بحیثیت مفسر، محدث فقیہ اور مؤرخ مسلم ہے علم اور تقویٰ دونوں کے لحاظ سے اُن کا مرتبہ نہایت بلند ہے' ۔ ۲

چند سطر بعد :

تاریخ میں کون ہے جس نے اُن پر اعتماد نہیں کیا ہے خصوصیت کے ساتھ دورِ فتنہ کی تاریخ کے معاملہ میں تو محققین انھیں کی آراء پر زیادہ تر بھروسہ کرتے ہیں ۔ ابن کثیر بھی اس دور کی تاریخ میں انھیں کی طرف رجوع کرتے ہیں ۔ ۳

اس ارشاد کی روشنی میں ہم سب کو چاہیئے کہ محققین کی طرح ہم بھی دورِ فتنہ کی تاریخ کے معاملہ میں ابن جریر کی طرف رجوع کریں اب آپ ملاحظہ فرمائیں ابن جریر طبری کی آراء تاکہ بخوبی اندازہ لگاسکیں کہ تاریخ کے صحیح مطالعہ سے مدیر موصوف (ابوالاعلیٰ مودودی) محروم ہیں یا ہم؟

۱ خلافت وملوکیت ص ۳۲۸، ۳۲۹، ۲ خلافت وملوکیت ص ۳۱۲ ۳ خلافت وملوکیت ص ۳۱۲

تحریک مفسدین :-

عبداللہ ابن سبا صنعا کا ایک یہودی تھا۔ عہد عثمانی میں ردائے منافقت اوڑھ کر اسلام لایا۔ پھر شہر شہر گھوم کر مسلمانوں کو گمراہ کرنے لگا ....

وہ کہتا تھا کہ عثمان (رضی اللہ عنہ) نے خلافت بغیر حق حاصل کیا ہے۔ علی مرتضیٰ (رضی اللہ عنہ) رسول اللہ ﷺ کے وصی ہیں تم متحد ہو کر اقدام کرو اور عثمان کو اس منصب سے ہٹادو اور طریقۂ کار یہ ہو کہ عمال عثمانی کی جا بجا برائی کرو۔ **(والاؤ ابالطعن علی امرائکم)** اوامر ونواہی کے پردے میں اپنی طرف مائل کرو اس کے بعد اس نے مختلف صوبہ جات میں اپنے ایجنٹ پھیلا دیئے۔ **(وجعلوا یکتبون الی الامصار بکتب یصعونها فی عیوب ولاتهم)**۔ یعنی دوسرے شہروں کے لوگوں کو ایسے بناوٹی مکتوبات بھیجو جو عمال عثمانی کے عیوب پر مشتمل ہوں .... اس طرح ہر شہر کے سبائی دوسرے شہر کو اس قسم کے اور دروغ بیانیوں پر مشتمل خطوط لکھے۔ **(واوسعوا الارض اذاعة)**۔ یعنی وسیع پیمانے پر سارے ملک میں پروپگنڈا کے شکار ہو کر لوگ یہ کہنے لگے کہ خدا کا شکر ہے کہ مصیبت دوسرے صوبے میں ہے ہم تو محفوظ ہیں **(فیقول اهل کل مصرانا لفی عافیة مما ابتعی به هولاء)** مگر اہل مدینہ کے پاس ہر چہار طرف سے شکایتی خطوط آرہے تھے۔ **(فقالوا انا لفی عافیة مما فیه الناس)** یعنی اہل مدینہ کہتے تھے کہ ساری دُنیا جن مصائب سے دوچار ہے ہم ان سے عافیت میں ہیں۔ [1]

واقعات کی اس تفصیل کو علامہ ابن کثیر کی تالیف البداء والنہایہ جلد ۷ صفحہ ۱۶۷، ۱۶۸ پر بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ علامہ ابن جریر طبری مزید فرماتے ہیں:

---

[1] تاریخ طبری لابن جریر ج ۳ ص ۳۷۸، ۳۷۹۔

ومن یکن یطعن فی معاویہ فذاک کلب من کلاب الھاویہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن کرنیوالا دوزخ کا کتا ہے

'جب ہر صوبے کے عاملوں کے خلاف کذب و افتراء سے مملو خطوط مدینہ منورہ آنے لگے تو اہل مدینہ بارگاہ عثمانی میں حاضر ہو کر دریافت کرتے ہیں کہ یہ خبریں آپ تک بھی پہنچ رہی ہیں امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جواب دیتے ہیں: **لا واللہ جاء فی الا السلامة**

'نہ۔ خدا کی قسم! سوائے سلامتی کے میرے پاس کوئی بات نہیں آئی'۔

پھر اہل مدینہ نے حضرت کو سارے حالات سے آگاہ کیا۔ آپ نے اکابر صحابہ سے مشورہ طلب کیا اور طے پایا کہ معتمد علیہ اشخاص کو صحیح حالات کی تحقیق و تفتیش کے لیے ملک کے مختلف حصوں میں بھیجا جائے۔ چنانچہ حضرت محمد بن مسلمہ کو کوفہ، حضرت اُسامہ بن زید کو بصرہ، حضرت عمار بن یاسر کو مصر اور حضرت عبداللہ ابن عمر (رضی اللہ عنہم) کو شام بھیجا۔ لوٹ کر جو رپورٹ پیش کی گئی وہ یہ ہے: **ایھا الناس ما انکرنا شیئا ولا انکرہ اعلام المسلمین ولا عوامھم** 'ہم نے کوئی ناروا بات نہیں دیکھی نہ ہی کسی گورنر پر اکابر مسلمین کو کوئی اعتراض ہے۔ اور نہ ہی عامۃ المسلمین کو'۔[1]

طبری کی ہی روایت ہے:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سارے گورنروں کو جمع کیا اور فرمایا 'یہ شکایات کیسی ہیں؟' یہ سب افواہیں یا ان کے پیچھے کچھ حقیقت بھی ہے۔ تو انھوں نے جواباً عرض کیا۔

'الم تبعث الم ترجع الیك الخبر عن القوم الم یرجعوا ولم یشافھھم احد بشیئ (کیا آپ نے آدمی نہیں بھیجے تھے۔ کیا آپ کو انھوں نے خبر نہیں دی کیا وہ تحقیقات کرنے والے اس حال میں واپس نہیں آئے کہ انھیں کوئی شخص مملکت میں شکایت کرنے والا نہیں ملا)۔

---

[1] تاریخ طبری ج ۳ ص ۳۷۹۔

خدا کی قسم! معترض جھوٹے اور شرافت سے دُور ہیں۔ ہم کو ہرگز اس قسم کی باتوں کا علم نہیں۔ اگر آپ کسی کو پکڑ کر پوچھیں تو وہ کوئی بات بھی آپ کے سامنے نہ پیش کر سکے گا۔

وما ھی الا اذاعة لا یحل الاخذ بھا ولا الانتھاء الیھا

'یہ تو نرا پروپگنڈا ہے اس کا نوٹس لینا جائز نہیں اور نہ ہی اس کی کوئی انتہا ہے'۔

بعض لوگوں کا ان 'یارانِ رسول' کو بھی انھیں مفسدین کی قطار میں کھڑا دکھانا۔ انتہائی غیر اسلامی جرأت ہے اُن لوگوں نے جن زور دار الفاظ میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ صحابہ بھی اس سورش کی لپیٹ میں آ گئے تھے اُن ہی لوگوں کے معتمد خاص علامہ ابن کثیر انھیں زور دار الفاظ میں اس کی تردید کرتے ہیں۔

واما ما یذکرہ بعض الناس ان بعض الصحابة اسلمه ورضی بقتله فھذا لا یصح عن احد من الصحابة انه رضی بقتل عثمان رضی اللہ عنۂ بل کلھم کرہ ومقتہ وسب من فعلہٗ.

(فتح الباری جز ۱۳ ص ۴۳۲)

یہ جو بعض لوگ ذکر کرتے ہیں کہ بعض صحابہ نے حضرت عثمان کو باغیوں کے حوالے کر دیا اور قتل سے راضی تھے صحیح نہیں۔ کسی صحابی سے رضائے قتل ثابت نہیں بخلاف اس کے جملہ صحابہ نے آپ کے قتل کو بُرا جانا، ناراض ہوئے اور قاتلین کو بُرا بھلا کہا۔

ابوبکر ابن العربی فرماتے ہیں:

ان احد امن الصحابة لم یسع علیه ولا قعد علیه ولا قعد عنه.

بیشک کوئی نہ تو آپ کا مخالف رہا نہ ہی فریضہ اطاعت سے دست کش رہا۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

لو احببت قتله لقتلت. اگر میں نے اُن کے قتل کو پسند کیا تو میں بھی قتل کی جاؤں۔

قاضی ابوبکر ابن العربی مزید وضاحت فرماتے ہیں۔

'مردودوں اور جاہلوں نے یہاں تک کہا کہ کبار صحابہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف آواز اُٹھانے والے اور تحریک چلانے والے تھے اور آپ کے خلاف جو کچھ ہوا اس سے راضی تھے۔ ان جاہلوں نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بڑی چیخ و پکار کی اور گڑگڑا کر امداد کے طالب ہوئے

(وذلك كله مصنوع ليوغروا قلوب المسلمين عن السلف الصالحين والخلفاء الراشدين) یعنی سب من گھڑت باتیں ہیں تاکہ مسلمانوں کے قلوب کو سلف صالحین اور خلفائے راشدین کے خلاف برانگیختہ کریں'۔ [1]

ابن تیمیہ کا ارشاد ہے:

انما قتله طائفة من المفسدين فى الارض من اوباش القبائل واهل الفتن۔[2]

حضرت عثمان کو اوباش قبائل اور اہل فتنہ کی ایک فسادی پارٹی نے قتل کیا ہے۔

اب سیدنا علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کا ایک ایسا قول ملاحظہ ہو جس سے لوگ عبرت حاصل کریں اور اگر ہو سکے تو اپنے دین اسلام کا جائزہ لیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

انكم وما تعيرون به عثمان كالطاعن نفسه ليقتل ردفه۔

تم جو عثمان کی عیب چینی کرتے ہو تمہاری مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص اپنے پیچھے بیٹھے ہوئے کو قتل کرے اور خود کو زخمی کرے۔ (طبری ج۳ ص۳۳۰)

---

[1] العواصم من القواصم ۱۳۹-۱۴۰، [2] منہاج السنہ ج۲ ص۱۸۶۔

مزید فرماتے ہیں

وما ذنب عثمان فيما صنع عن امرنا

جو کام عثمان نے ہمارے مشورہ سے کیا اس میں اُن کا کیا گناہ ہے۔

اس عبارت کا واضح مفہوم یہی ہے کہ تدبیر عثمانی کو اس وقت تک مجروح نہیں کیا جاسکتا جب تک تدبیر علوی کو زخمی نہ کیا جائے۔

حضرت عثمان اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے تقابلی مطالعہ کا شوق لوگوں کو ممکن ہے کہ شاہ اسمٰعیل دہلوی کی اس بے تکی اور لایعنی بات سے پیدا ہوا ہو:

'حضرت عثمان رضی اللہ عنہٗ کے لیے خلافت سے قطع نظر اس قدر مرتبہ اور قرب نہیں ہے کہ حضرت مرتضٰی علی رضی اللہ عنہٗ پر مقدم ہوں بلکہ وجاہت قرب کے لحاظ سے حضرت مرتضٰی رضی اللہ عنہٗ حضرت عثمان رضی اللہ عنہٗ پر مقدم ہیں'۔

(صراط مستقیم مولفہ اسمٰعیل دہلوی ص ۶۷ راشد کمپنی دیوبند)

شاہ اسمٰعیل دہلوی کا یہ فرمانا کہ 'حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مرتبہ اور قرب کے لحاظ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر مقدم نہیں بلکہ تقدیم خلافت نے مقدم کیا ہے۔ ایک غیر علمی اور غیر تحقیقی دعویٰ ہے۔ خلفائے اربعہ کی 'ترتیب فضیلت' فی الواقع 'ترتیب خلافت' کی بنیاد پر ہے ہی نہیں بلکہ خلافت ہی 'ترتیب فضیلت' کے مطابق ہوگئی۔

چنانچہ صدر الشریعہ حضرت مولانا مفتی امجد علی صاحب خلیفہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ اپنی لاجواب فقہی کتاب (بہار شریعت حصہ اول صفحہ ۲۷) پر فرماتے ہیں:

'اُن کی (یعنی خلفائے اربعہ کی) خلافت بترتیب فضیلت ہے یعنی جو عنداللہ افضل و اعلیٰ و اکرم تھا وہی خلافت پاتا گیا۔ نہ کہ افضلیت بر ترتیب خلافت'۔

عہد جدید کے ایک مورخ کا کہنا ہے:

'حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو آنحضرت ﷺ کی پیشن گوئی کے مطابق یہ یقین تھا کہ اُن کی شہادت مقدر ہوچکی ہے۔ آپ نے متعدد مرتبہ اُن کو اس سانحہ سے باخبر کیا تھا۔ [1] اور صبرو استقامت کی تاکید فرمائی تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس وصیت پر پوری طرح قائم اور ہرلمحہ ہونے والے واقعہ کے منتظر تھے جس دن شہادت ہونے والی تھی آپ روزے سے تھے۔ جمعہ کا دن تھا۔ خواب میں دیکھا کہ آنحضرت ﷺ اور حضرات ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما تشریف فرما ہیں اور اُن سے کہہ رہے ہیں کہ 'عثمان جلدی کرو تمہارے افطار کے ہم منتظر ہیں' بیدار ہوئے تو حاضرین سے خواب کا تذکرہ فرمایا۔ اہلیہ محترمہ سے فرمایا کہ میری شہادت کا وقت آ گیا۔ باغی مجھے قتل کرڈالیں گے۔ انھوں نے کہا 'امیر المومنین ایسا نہیں ہوسکتا۔ فرمایا میں یہ خواب دیکھ چکا ہوں اور ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ فرمارہے ہیں کہ 'عثمان آج جمعہ میرے ساتھ پڑھنا [2]' پھر پائے جامہ جس کو کبھی نہیں پہنا تھا منگا کر پہنا [3] اپنے بیس غلاموں کو بلا کر آزاد کیا اور قرآن کھول کر تلاوت میں مصروف ہوگئے' [4]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے شہادت کی پوری تیاری کرلی۔ اب صرف شہادت کا انتظار تھا۔ شدید انتظار۔ بلکہ خودسراپا انتظار ہوگئے تھے کیونکہ دیدارِ حبیب پر حیات ظاہری کا ایک دبیز پردہ تھا جو بدست شہادت اٹھنے والا تھا۔

چنانچہ گھر کا دروازہ کھول دیا اور آنے والی شہادت کے لیے چشم براہ ہوگئے۔

انه فتح الباب ووضع المصحف بين يديه وذالك انه رأئ من الليل

آپ نے دروازہ کھول دیا اور قرآن سامنے رکھا اس لئے کہ آپ رات کو خواب دیکھا

۱ مسند احمد ج٦ ص٦٦، ۲ طبقات ابن سعد ج۳ ص۵۳، ۳ مسند احمد ج۱ ص۷۱، ۴ خلفائے راشدین ص۲۳۴۔

ان النبی صلی الله علیه وسلم یقول افطر عندنا اللیلة

کہ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ آج شام ہمارے ساتھ افطار کرو۔

ایک مورخ رقم طراز ہیں:

باغیوں نے مکان پر حملہ کردیا۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ جو دروازے پر متعین تھے مدافعت میں زخمی ہوئے۔ چار باغی دیوار پھاند کر چھت پر چڑھ گئے۔ آگے آگے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے چھوٹے صاحبزادے 'محمد بن ابکر' تھے جس کے نہ ملنے پر سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دشمن بن گئے تھے۔ انھوں نے آگے بڑھ کر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی ریش مبارک پکڑی اور زور سے کھینچی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: 'بھتیجے! اگر تمہارے باپ زندہ ہوتے تو اُن کو یہ پسند نہ آتا'۔

یہ سن کر محمد بن ابی بکر شرما کر پیچھے ہٹ گئے اور ایک دوسرے شخص کنانہ بن بشر نے آگے بڑھ کر پیشانی مبارک پر لوہے کی لاٹ اس زور سے ماری کہ پہلو کے بل گر پڑے اس وقت بھی زبان پر 'بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ' نکلا سودان بن حمران مرادی نے دوسری ضرب لگائی جس سے خون کا فوارہ جاری ہوگیا ایک اور سنگدل 'عمرو بن الحمق' سینہ پر چڑھ بیٹھا اور جسم کے مختلف حصوں پر پے در پے نیزوں کے نو (۹) زخم لگائے۔ کسی شقی نے بڑھ کر تلوار کا وار کیا۔ وفادار بیوی حضرت نائلہ رضی اللہ عنہا نے جو پاس بیٹھی تھیں ہاتھ پر روکا۔ تین اُنگلیاں کٹ کر الگ ہوگئیں اس وار نے حضرت ذوالنورین کی شمع حیات بجھادی۔

اس بیکسی کی موت پر عالم امکان نے ماتم کیا۔ کائنات ارضی وسماوی نے خونِ ناحق پر آنسو بہائے۔ کارکنان قضا وقدر نے کہا۔

'جوخوں آشام تلوار آج بے نیام ہوئی ہے وہ قیامت تک بے نیام رہے گی اور فتنہ و فساد کا جو دروازہ کھلا ہے وہ حشر تک کھلا رہے گا'۔

شہادت کے وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تلاوت فرما رہے تھے۔ قرآن مجید سامنے کھلا تھا اس خون ناحق نے جس آیت کو خوں ناب کیا وہ یہ ہے:

فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ. اللہ تم کو کافی ہے اور وہ سننے جاننے والا ہے۔[1]
(البقرہ/۱۳۷)

ابن عساکر روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ زخمی ہوئے تو فرمایا **بسم اللہ توکلت علی اللہ** اور جب خون بہنے لگا تو فرمایا **سبحان اللہ العظیم**۔[2]

آہ! امیر المومنین جو آغازِ اسلام سے آنحضرت ﷺ کے رفیق تھے جنھوں نے اس زمانے میں اسلام کا کلمہ پڑھا تھا جب اُن کا تمام خاندان کفر پر نہایت شدت سے قائم تھا۔ جو اسلام کی دو مقدس ہجرتوں میں شریک ہوئے جو اپنی مرجعیت عامہ کی وجہ سے صلح حدیبیہ میں آنحضرت ﷺ کی طرف سے سفیر بن کر گئے تھے۔ جو آنحضرت ﷺ، سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے نہایت مخلص اور وفادار دوست تھے۔ جو آنحضرت ﷺ کی دامادی کے شرف سے مشرف تھے۔ جو صحابہ کے نزدیک سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے بعد سب سے افضل تھے۔ جن کو آنحضرت ﷺ نے تین بار جنتی ہونے کی بشارت دی تھی جنھوں نے بئر رومہ کھدوایا اور غزوہ عسرت کا سامان کیا تھا۔ جو قرآن مجید کے ناشر تھے۔ جنھوں نے بہت سے سرحدی ممالک کفار کے قبضے سے نکال کر خلافت اسلامیہ میں داخل کیئے تھے۔ وہ رحمت مجسم وہ خیر سراپا۔ وہ اسوۂ حسن،

---

[1] خلفائے راشدین ص ۲۳۵ [2] البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۱۸۶۔

وہ امام برحق و سردار کل، آج باغیوں کی شمشیر آب دار کے نذر ہوتا ہے۔ ایسی شمشیر جو خدا کے احکام سے باغی ہو کر مصحف ناطق کا خون مصحفِ ساکت کے اوراق پر گراتی ہے۔

امامِ مظلوم نے ایسے مصائب برداشت کیئے جو اگر پہاڑ پر ڈالے جاتے تو یقیناً وہ ریزہ ریزہ ہو جاتا۔ لیکن امام نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ اس ابتلا سے گزر گئے اور آخر شہید ہونے کا شرف حاصل فرمایا۔ امام شہید ہو گئے اور حدیث نبوی نے جنت کی بشارت دے کر اُن کی بے گناہی اور مظلومیت کا اعلان فرمایا۔

آج اسی امام مظلوم کے بارے میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی 'خلافت و ملوکیت' میں انشاپردازی کے نشہ میں چور ہو کر اعتراضات و الزامات کا ایک طومار کھڑا کر دیتے ہیں۔ لیکن اعتراضات و الزامات کو سپرد قلم کرنے سے پہلے وہ ایک ایسی فضا بناتے ہیں جس سے اُن کا اعتراض باوزن سمجھا جائے اور مضمون نگاہِ حقارت سے نہ دیکھا جائے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

'جو تاریخی مواد اس بحث میں پیش کیا گیا ہے وہ تاریخ اسلام کی، مستند ترین کتاب سے ماخوذ ہے۔ جتنے واقعات میں نے نقل کیے اُن کے پورے پورے حوالے درج کردیئے ہیں اور کوئی ایک بات بھی بلا حوالہ بیان نہیں کی ہے۔ اصحاب علم خود اصل کتابوں سے مقابلہ کر کے دیکھ سکتے ہیں۔[1] سب وہاں موجود ہے یا نہیں اور میں نے اس میں کوئی کمی بیشی تو نہیں کی ہے'۔

---

[1] خلافت وملوکیت ص ۲۹۹

یہ مودودی صاحب کی انتہائی سادگی ہے جو کہ ہر اس روایت کو وہ صحیح سمجھتے ہیں جو کسی تاریخی کتاب میں ہو۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ موصوف کے نزدیک 'تحقیق' محض نقل عبارت کا نام ہے۔

محترم! یہ شرف تو حدیث کو بھی حاصل نہیں کہ محض کسی کتاب میں ہونے کے سبب اُسے صحیح یا قولِ رسول تسلیم کیا جائے، چہ جائے کہ تاریخ۔ تاریخ کا دامن تو اتنا تنگ ہے کہ ہم کسی تاریخی کتاب کو اُس کی تمام تفصیلات کے ساتھ 'اسلامی تاریخ' واقعتاً نہیں کہہ سکتے۔ جیسا کہ پیش لفظ میں، میں واضح کر چکا ہوں۔ چونکہ مودودی صاحب نے بغیر جرح وتعدیل اور بلا نقد ونظر، فقط روایات کے نقل کر دینے پر تکیہ کیا لہٰذا اُن سے چند غیر معمولی لغزشیں ہوئیں، جن کی اصلاح کرنا دین کا اہم ترین تقاضہ ہے۔

مودودی صاحب فرماتے ہیں:

'بیت المال سے اپنے اقرباء کی مدد کے معاملے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو کچھ کیا اُس پر بھی شرعی حیثیت سے کسی اعتراض کی گنجائش نہیں'۔ [1]

مزید فرماتے ہیں:

'یہ امام زہری کا بیان ہے۔ جن کا زمانہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد سے قریب ترین تھا۔ اور محمد بن سعد کا زمانہ امام زہری کے زمانہ سے بہت قریب ہے .... ابن سعد نے صرف دو واسطوں سے اُن کا قول نقل کیا ہے اگر یہ بات ابن سعد نے امام زہری کی طرف یا امام زہری نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف غلط منسوب کی ہوتی تو محدثین اس پر ضرور اعتراض کرتے اس لیے اس بیان کو صحیح ہی تسلیم کرنا پڑے گا' [2]

---

[1] خلافت وملوکیت صفحہ ۳۲۶۔ [2] خلافت وملوکیت صفحہ ۳۲۶

کبھی تو مودودی صاحب اپنی دوسری کتابوں میں اس طرح کی باتیں کرتے ہیں کہ ہم کسی حدیث کو صحیح صرف اس بنیاد پر نہ مانیں گے کہ اسے محدثین نے صحیح قرار دیا ہے۔ ان کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

'محدثین پر اعتماد کرنا کہاں تک درست ہے وہ بہرحال تھے تو انسان ہی۔ انسانی علم کے لیے جو حدیں فطرۃ اللہ نے مقرر کر رکھی ہیں اُن سے آگے تو وہ نہیں جا سکتے'۔

مزید فرماتے ہیں:

'ہم نے کبھی اس خیال کی تائید نہیں کی کہ ہر شخص کو ائمہ حدیث کی اندھی تقلید کرنی چاہیے۔ یا اُن کو غلطی سے مبرا سمجھنا چاہیے' نہ ہم نے کبھی یہ دعویٰ کیا ہے کہ ہر کتاب میں جو روایت قال رسول اللہ سے شروع ہو اُس کو آنکھ بند کر کے رسول اللہ ﷺ کی حدیث مان لیا جائے'۔ [1]

پھر فرماتے ہیں:

'آپ کے نزدیک ہر اس روایت کو حدیث رسول مان لینا ضروری ہے۔ جسے محدثین سند کے اعتبار سے صحیح قرار دیں۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ ضروری نہیں۔ ہم سند کی صحت کو حدیث کے صحیح ہونے کی لازمی دلیل نہیں سمجھتے'۔ [2]

کہاں 'تحقیق وتنقید' کا یہ نایاب جذبہ اور کہاں مودودی صاحب کا یہ جذبۂ تقلید کہ وہ اپنے مذکورہ بالا اصولوں سے ہٹ کر طبقات ابن سعد کی ایک روایت کو صرف اس لیے قبول کر لیتے ہیں کہ 'ابن سعد نے اس روایت کو دو واسطوں سے نقل کیا ہے۔ اور اگر یہ بات غلط ہوتی تو محدثین ضرور اعتراض کرتے۔

---

[1] تفہیمات ص ۲۹۲/۶۸۲، [2] رسائل ومسائل ج ۱ ص ۲۲۹

موصوف سے یہ بات کون کہے کہ کبھی آپ محدثین کے اعتراضات اس لیے ٹھکرا دیتے ہیں کہ کیا ضروری ہے کہ محدثین کا ہر ارشاد صحیح اور درست ہو آخر وہ بھی تو انسان ہوتے ہیں۔ اور کبھی آپ محدثین کے عدم اعتراض کو صحت روایت کی دلیل قرار دیتے ہیں۔ آخر یہ تضادِ فکر کیوں ہے؟

یہ ذہنی انتشار ذاتی رجحانات اور خود پسندی کی غمازی کرتا ہے۔ جب کسی محدث کی نقل کردہ روایت مزاج کے مطابق نہیں تو کہہ دیا کہ محدثین تنقید سے بالاتر نہیں اور جب کوئی ساقط الاعتبار روایت طبیعت اور خواہش کے مطابق نکلی تو یہ کہنے لگے کہ محدثین کرام کا اعتراض نہ کرنا ہی صحت روایت کی دلیل ہے۔ ایں چہ ابوالعجبی است

بہر حال امام زہری اور ابن سعد کا نام مودودی صاحب نے شو باکس (Show box) کے طور پر استعمال کیا ہے کیونکہ یہ بیان اُن کا ہے ہی نہیں۔ یہ افسانہ 'واقدی' کا نتیجہ فکر ہے جسے ابن سعد نے اپنی کتاب 'طبقات' میں درج کیا ہے۔ اکثر مجتہدین و محدثین کے نزدیک 'واقدی' کذاب، متروک الحدیث اور ناقابل اعتماد ہیں۔ جیسا کہ پیش لفظ میں بیان کر چکا ہوں۔ اعادہ سے کیا فائدہ۔

مودودی صاحب نے 'دو واسطوں' کا ذکر کیا ہے مگر ان واسطوں کی صراحت نہیں کی۔ صرف اس لیے کہ ان دو واسطوں میں واقدی سامنے آجاتے ہیں۔ اور روایت کی قلعی کھل جاتی ہے۔

موصوف کا یہ فرمانا کہ محدثین نے تنقید نہیں کی ہے صحیح نہیں ہے' میں واقدی کے بارے میں محدثین کی تنقیدات پیش کر چکا ہوں۔

موصوف 'خویش پروری' کے الزام کو مزید قوت دینے کے لیے طبری یہ فقرے لکھتے ہیں:

'پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ رقم (تین سو قنطار سونا) الحکم یعنی مروان بن حکم کے باپ کے خاندان کو عطا کر دینے کا حکم دیا'۔

الحکم کا خاندان وہی ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا خاندان ہے گویا موصوف یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے افریقہ سے حاصل شدہ رقم بیت المال میں جمع کرنے کے بجائے اپنے رشتہ داروں کو دے دیا۔

مگر یہ بھی حضرت ذی النورین کی کرامت ہے کہ تاریخ طبری کی اس روایت میں اصل راوی 'واقدی' ہیں اور واقدی کا مزید تعارف غیر واضح ہے۔

طبری کی اس روایت کے آخری الفاظ کو مولانا موصوف نے شاید اپنی 'مخصوص دعوت حق' کے پیش نظر نہیں بیان کیا ہے وہ جملے یہ ہیں کہ راوی کہتا ہے کہ میں نے استاذ سے دریافت کیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے الحکم کو وہ سونا دینے کا حکم دیا تھا یا مروان کو۔

قَالَ لَا اَدرِیْ۔ اس نے کہا میں نہیں جانتا۔

اس **لَا اَدرِیْ** کے بعد مدیر موصوف کی پیش کردہ اس روایت کی اصحابِ علم کے نزدیک کیا قیمت باقی رہ جاتی ہے اس طرز عمل اور انداز نگارش نے اس حقیقت کو منکشف کر دیا کہ مودودی صاحب محقق نہیں بلکہ مصنف ہیں۔

اسی حوصلے کی تکمیل و تسکین کے لیے تاریخ طبری سے اخذ کرتے ہوئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب یہ فقرے درج فرماتے ہیں۔ گویا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

'میں ایک ایسے خاندان سے ہوں جس کے لوگ قلیل المعاش ہیں اس وجہ سے میں نے اس خدمت کے بدلے میں جو میں اس حکومت کی کر رہا ہوں۔ اس مال سے روپیہ لیا ہے اور میں یہ سمجھتا ہوں مجھے ایسا کرنے کا حق ہے'۔ (خلافت وملوکیت ص ۳۲۷)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ بات کن لوگوں کے سامنے کہی اس کا جواب خود مودودی صاحب سے ہی سنئے :

'مجلس میں جہاں حضرت علی، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت زبیر، حضرت طلحہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم موجود تھے'۔ (خلافت وملوکیت ص ۳۲۷)

ہم کہتے ہیں کہ یہ روایت چند علمی اور فنی بنیادوں اساس پر غلط ہے۔ اور ساقط الاعتبار ہے۔

(۱) اسی روایت میں ایک راوی اسحاق بن یحیٰ ہیں جو مجروح ہیں۔ ملاحظہ ہو ائمہ جرح وتعدیل کی آراء:

۱) قطان فرماتے ہیں **شبه لا شيئ** (یعنی کچھ بھی نہیں ہیچ ہیں)

۲) ابن معین فرماتے ہیں **لا مكتب حديثه** (ان کی حدیث نہ لکھی جائے)

۳) احمد ونسائی فرماتے ہیں **متروك الحديث** (ان کی حدیث ترک کی گئی ہے)

۴) بخاری فرماتے ہیں **يتكلمون فی حفظه** (یعنی ان کے حفظ پر کلام ہے)

۵) ابن حبان فرماتے ہیں **يخطي وليهم** قد وہ خطا کرتا ہے اس سے وہم ہوتا ہے
ادخلناه فی الضعفاء ہے بلاشبہ وہ ضعیفوں میں داخل ہے

مذکورہ بالا پانچ ائمہ جرح وتعدیل کے ارشادات سے معلوم ہوا کہ موصوف کی تاریخ طبری سے پیش کردہ روایت کا ایک راوی تو لاشئی، خاطی، وہمی، ضعیف اور متروک الحدیث ہے، پھر ایسے راوی کو بنیاد بنا کر مدیر موصوف کا 'امام مظلوم' پر بہتان عظیم باندھنا، ملت کی تعمیر نہیں تخریب ہے۔

موصوف کو عظمت عثمانی کا اگر صحیح احساس ہوتا تو طبری کی اس ساقط الاعتبار روایت کو درج کرنے کی بجائے اس روایت کو نقل کرتے جو طبری ہی کے جلد ۳ صفحہ ۳۸۵ پر بتمام کمال

موجود ہے اور جو ہر حیثیت سے ثقہ روایت ہے۔

وما اعطاء هم فانی ما اعطيهم من مالي ولا استحل اموال المسلمين بنفسي ولا لاحد من الناس.

اور رشتہ داروں کو عطیات دینا سو جو کچھ میں نے دیا اپنے ہی مال سے دیا مال مسلمین کو میں نہ اپنے لیے حلال سمجھتا ہوں اور نہ ہی کسی اور کے لیے۔

روایت کے آخری فقرے یہ ہیں:

ولا يلتفت من مال الله بفلس فوقه داما تبلغ منه ما اكل الا مالي.

اور اللہ کے مال میں سے ایک پیسہ بھی نہیں اُٹھاتا اور نہ میں بیت المال سے اپنا گذارہ لیتا ہوں میں کھانا بھی اپنے ہی مال سے کھاتا ہوں۔

تاریخ طبری کی اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بیت المال کو اپنے ذاتی تصرف میں لانا تو بڑی بات ہے اس سے اپنی تنخواہ تک لینا بھی پسند نہ فرماتے چہ جائے کہ رشتہ داروں پر لٹائیں۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر کیئے جانے والے اعتراضات کا دفاع کرتے ہوئے مودودی صاحب ایک ضابطہ بناتے ہیں۔ ملاحظہ ہو :

'جب دونوں طرح کی روایات موجود ہیں اور سند کے ساتھ بیان ہوئی ہیں تو آخر ہم ان روایات کو کیوں نہ ترجیح دیں جو ان کے مجموعی طرز عمل سے مناسبت رکھتی ہیں اور خواہ مخواہ وہی روایت کیوں قبول کریں جو اس کی ضد نظر آتی ہیں'۔

کاش مدیر موصوف نے اس ضابطہ کا حقدار سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی قرار دیا ہوتا تو ایسی غلطی سرزد نہ ہوتی کیونکہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ تاریخ طبری میں دو طرح کی روایت ہے۔ ایک میں یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

بے پناہ غنی اور دھنی ہونے کے سبب اپنے لیے بیت المال سے ایک حبہ نہیں لیتے تھے اور دوسری روایت یہ ہے کہ بیت المال کا روپیہ بے تحاشہ اپنے عزیز و اقارب پر لٹاتے تھے۔

یہ دونوں روایتیں ایک دوسرے کی ضد ہیں تو پھر اس مقام پر مدیر موصوف نے اس روایت کو ترجیح کیوں نہ دیا جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مجموعی طرز عمل سے مناسبت رکھتی ہے؟ اور خواہ مخواہ اس روایت کو قبول کیا جو اس کی ضد نظر آتی ہے؟

یہ بات واضح ہے کہ جو جس کا بزعم خود مخلص ہوتا ہے اسی کی وکالت کرتا ہے اور ہمیں تو 'عثمان و علی' بلکہ سارے صحابہ اور اہل بیت رضی اللہ عنہم سے محبت و عقیدت ہے لہٰذا ہم سب کی جانب سے دفاع کرتے ہیں۔

مدیر موصوف (مودودی صاحب) نے اگر اپنی تحریر کردہ ایک اور بات کی اصلاح کر لیں تو خود پر احسان کریں گے اور وہ یہ ہے:

'فطری طور پر یہ بات کسی کو پسند نہ آ سکتی تھی کہ سابقین اولین جنھوں نے اسلام کو سر بلند کرنے کے لیے جانیں لڑائی تھیں اور جن کی قربانیوں ہی سے دین کو فروغ نصیب ہوا تھا پیچھے ہٹا دیئے جائیں اور یہ طلقاء جو فتح مکہ کے بعد ایمان لائے تھے اُمت کے سرخیل ہو جائیں'۔ [۱]

مزید لکھتے ہیں:

'مگر یہ پالیسی نہ حضور کی تھی اور نہ شیخین کی کہ سابقین اولین کے بجائے اب لوگوں کو آگے بڑھایا جائے اور مسلم معاشرے اور ریاست کی رہنمائی اور کارفرمائی کے مقام پر فائز ہوں'۔ [۲]

---

۱ ترجمان القران جون ۱۹۶۵، ۲ خلافت وملوکیت ۳۲۵۔

ان فقروں سے موصوف قارئین کو یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ سابقین اولین کے ہوتے ہوئے غیر سابقین کو مسلم معاشرے اور ریاست کی رہنمائی اور کارفرمائی کے مقام پر فائز کرنا نہ سرکار دو عالم ﷺ کی پالیسی تھی اور نہ ہی حضرات شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کی۔

حالانکہ موصوف (ابوالاعلیٰ مودودی صاحب) کے ان فقروں میں کیئے گئے دعوے کے خلاف تمام تاریخی حقائق ہیں چند مثالیں ملاحظہ۔

حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ، فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے حضور انور ﷺ نے اُن کو عامل مکہ بنایا اور حضور انور ﷺ کی وفات تک آپ برابر مکہ کے عامل رہے، جمیع سابقین اولین موجود ہیں۔ دس ہزار صحابہ کرام نے حضور انور ﷺ کے ساتھ آکر مکہ فتح کیا پھر بھی نبی کریم ﷺ نے سابقین کے ہوتے ہوئے 'عامل مکہ' اُسے بنایا جو مدیر موصوف کی بولی میں 'طلقاء' ہیں۔

(۲) سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو سابقین پر ترجیح دی اس طرح وفاتِ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تک وہ عامل رہے گویا سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی طلقاء کو ہی آگے بڑھایا۔

(۳) عہد فاروقی میں حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ ۱۳ھ سے ۲۲ھ تک برابر عامل مکہ رہے۔ قرن اول کے مدبر اعظم سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی سابقین کو نظر انداز کرتے ہوئے طلقاء ہی کو آگے بڑھا رہے ہیں۔

(۴) جب اہل یمن دائرہ اسلام میں داخل ہوئے اور باذام مسلمان ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے پورے یمن کی حکومت پر حضرت باذام کو مامور فرمایا اور اپنی وفات تک برابر یمن پر رسول عربی ﷺ کے عامل رہے حضور ﷺ نے سابقین اولین میں سے کسی کو یہ خدمت نہ سونپی۔

(۵) حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ وفد ثقیف کے ساتھ اسلام لائے نبی کریم ﷺ نے آپ کو طائف کا عامل بنایا اور یہ موقع سابقین میں سے کسی کو نہ دیا۔

(۶) سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی سابقین اولین کی بجائے حضرت عثمان ابی العاص رضی اللہ عنہ کو عامل بنائے رکھا۔

(۷) ابن سعد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان ابن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو طائف سے ہٹا کر 'عمان اور بحرین' کا گورنر بنا دیا بہر حال عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو خواہ طائف کا گورنر بنایا ہو یا عمان و بحرین کا، یہ بات تو ثابت ہی ہے کہ سابقین و اولین پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے غیر سابقین کو ترجیح دی۔

(۸) جب عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ طائف سے ہٹا کر عمان اور بحرین کے گورنر بنے تو طائف کے خالی جگہ پر سابقین اولین کے بجائے عثمان ابن ابی العاص رضی اللہ عنہ ہی کے چھوٹے بھائی حکم ابن ابی العاص کو مامور کیا گیا۔

(۹) حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ بن حرب فتح مکہ سے غالباً ایک روز قبل ہی مسلمان ہوگئے۔ حضور ﷺ نے اُن کو محصل زکوٰۃ بنا کر طائف بھیجا اور پھر صوبہ نجران کا گورنر بنا دیا۔ سابقین اولین موجود ہیں مگر گورنری کے لیے اگر نگاہِ رسالت اُٹھتی ہے تو طلقاء کی طرف ۔ مسلم معاشرے اور ریاست کی رہنمائی اور کارفرمائی کے مقام پر اگر حضور ﷺ کسی کو فائز کرتے ہیں تو طلقاء کو۔

(۱۰) سیدنا امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما صلح حدیبیہ اور عمرۃ قضا کے درمیان اسلام لائے، حضور ﷺ نے اُن کو کاتب وحی اور کاتب فرمانِ نبوی بنایا۔ حضر موت میں

ومن یکن یطعن فی معاویہ رضی اللہ عنہ
فذاک کلب من کلاب الھاویہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن کرنیوالا دوزخ کا کتا ہے

سفارت نبوی کی خدمت انجام دی حالانکہ اس وقت کافی تعداد میں سابقین اولین تھے۔

(۱۱) خلیفہ اول سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی اُن کو ایک معرکتہ الآراء فوجی دستہ کا افسر مقرر فرمایا اور اس کے لیے سابقین کو نظر انداز کیا۔

(۱۲) سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تو پہلے دمشق پھر پورے شام کا گورنر بنایا اور فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی پوری حیات ظاہری میں یہ نہایت شان وشوکت کے ساتھ یہ شام کے گورنر رہے۔

(۱۳) حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو شام پر لشکر کشی کے وقت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دس ہزار سپاہ پر سالار اعظم بنایا گویا خلیفۂ اول نے بھی سابقین کو چھوڑ کر طلقاء کو آگے بڑھایا۔

(۱۴) حضرت یزید ابن ابی سفیان رضی اللہ عنہما اس سے پہلے عہد نبوی میں تیما کے گورنر بنائے گئے تھے۔ نگاہِ نبوت تیما کی گورنری کے لیے اگر کسی کو منتخب کرتی ہے تو طلقاء کو۔ حالانکہ درجنوں بلکہ اس سے بھی زیادہ سابقین اولین موجود ہیں۔

(۱۵) جب سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا عہد مبارک آتا ہے تو امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نہایت انشراح صدر کے ساتھ حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو دمشق کا گورنر بناتے ہیں۔ حالانکہ سابقین اولین موجود ہیں۔

(۱۶) حضرت ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے شرق اردن پر لشکر کشی کے وقت ایک لشکر کی قیادت سپرد فرمائی اور بعض سابقین اولین کو اُن کے ماتحت کام کرنا پڑا۔

(۱۷) سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اُن کو جزیرہ اور بلادِ مغرب کا عامل اور مبلغ بنایا۔ سابقین اولین میں سے کسی کو اس کام پر مامور نہ کیا۔

(۱۸) عتبہ ابن ابی سفیان عہد نبوی میں کمسن، عہد صدیقی میں سپاہی اور عہد فاروقی میں ترقی کر کے 'قبائل کنانہ' کے زکوٰۃ کے کلکٹر مقرر ہوئے۔ حالانکہ سابقین اولین موجود ہیں۔

ان اٹھارہ مثالوں نے واضح کر دیا کہ سابقین اولین موجود ہیں پھر بھی نبی کریم ﷺ اور حضرات شیخین سرخیل اُمت انھیں بھی بناتے ہیں جو طلقاء ہیں۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں اس مقام پر تینوں ادوار کے گورنروں کا ایک اجمالی خاکہ پیش کردوں تاکہ بہ آسانی یہ اندازہ لگایا جاسکے کہ عہد نبوی اور عہد صدیقی اور فاروقی میں سابقین اولین کی کثرت ہے یا غیر سابقین اولین کی۔

عہد رسالت کے گورنر:۔

۱-حضرت عتاب بن اُسید

۲-حضرت خالد بن سعید بن العاص

۳-حضرت عمرو بن سعید بن العاص

۴-حضرت ابان بن سعید بن العاص

۵-حضرت علاء بن الحضرمی

۶-حضرت عثمان بن ابی العاص

۷-حضرت عمرو بن حزم

۸-حضرت عامر بن شہر

۹-حضرت باذام

۱۰-حضرت طاہر بن ابی ہالہ

۱۱-حضرت عکاشہ بن ثور

۱۲-حضرت زیاد بن لبید

۱۳-حضرت ابوموسیٰ اشعری

۱۴-حضرت امرؤ القیس

۱۵-حضرت عمرو بن الحکم

۱۶-حضرت معاویہ بن فلاں

عہد نبوی کے ان (۱۶) گورنروں اور حاکموں میں حضرات خلفاء راشدین میں سے ایک بھی نہیں اور حضرات عشرہ مبشرہ میں سے بھی کوئی نہیں۔

جب بقول 'آں موصوف' (مودودی صاحب) فطری طور پر یہ بات کسی کو پسند نہ آ سکتی تھی کہ سابقین اولین جنھوں نے اسلام کو سربلند کرنے کے لیے جانیں لڑائی تھیں اور جن کی قربانیوں ہی سے دین کو فروغ نصیب ہوا تھا پیچھے ہٹا دیئے جائیں۔ اور یہ طلقاء جو فتح مکہ کے بعد ایمان لائے امت کے سرخیل ہو جائیں۔[1]

اگر واقعی یہ فطری بات ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنے مبارک عہد میں ایک درجن سے زائد گورنر مقرر فرماتے ہیں مگر عشرہ مبشرہ 'جنھوں نے اسلام کو سربلند کرنے کے لیے جانیں لڑائی تھیں اور جن کی قربانیوں ہی سے دین کو فروغ نصیب ہوا تھا' پیچھے ہٹا دیئے گئے۔ اور غیر عشرہ مبشرہ اُمت کے سرخیل ہو گئے۔ کیوں؟

عہد صدیقی کے گورنر:-

۱۔ حضرت عتاب بن اُسید
۲۔ حضرت عثمان بن ابی العاص
۳۔ حضرت مہاجر بن ابی اُمیہ
۴۔ حضرت زیادہ بن لبید
۵۔ حضرت یعلی بن اُمیہ
۶۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری
۷۔ حضرت علاء بن الحضرمی وغیرہم

عہد فاروقی کے گورنر:-

۱۔ حضرت نافع بن عبدالحارث
۲۔ حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفی
۳۔ حضرت یعلی بن منیہ
۴۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ
۵۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری
۶۔ حضرت عمرو بن العاص
۷۔ حضرت عمیر بن سعد
۸۔ حضرت معاویہ بن ابی سفیان
۹۔ حضرت عثمان بن ابی العاص

[1] ترجمان القرآن جون ۶۵ء ص ۳۶۔

عہد شیخین میں بھی عہد نبوی کے عمال کی طرح حضرات عشرہ مبشرہ میں سے صرف دو حضرات اُمور ریاست کی انجام دہی کے لیے مامور ہوئے۔

۱۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ۲۔ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ

باقی آٹھ جنتی حضرات کو ہمیشہ الگ تھلگ رکھا گیا۔ اور اُمت کے سرخیل دوسرے حضرات ہوئے۔

سابقین اولین میں سے صرف دو تین حضرات منتخب ہوئے اور غالب اکثریت 'غیر سابقین اولین' کی ہی ہے۔ اور ان غیر سابقین میں وہ طلقاء بھی ہیں جو فتح مکہ کے بعد ایمان لائے۔

ان حقائق کو ذہن کے پرامن حصے میں رکھنے والا انسان اس دعوے کو تسلیم نہیں کر سکتا کہ :

'یہ پالیسی نہ حضور ﷺ کی تھی اور نہ شیخین کی کہ سابقین اولین کی بجائے اب لوگوں کو آگے بڑھایا جائے'۔

عہد نبوی اور عہد شیخین سے ہم نے اٹھارہ نظیریں پیش کیں۔ نیز تینوں ادوار کی فہرست عمال آپ کے سامنے رکھ دیا جس سے کہ حقیقت کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ حضور نبی مکرم ﷺ اور شیخین کی پالیسی یہی تھی کہ زیادہ سے زیادہ غیر سابقین اولین کو آگے بڑھایا جائے اور ان نوجوانوں کی سرگرمیوں سے اسلام کو قوت پہنچائی جائے اور یہی وہ بات ہے جس پر تمام تاریخی حقائق شاہد عدل ہیں۔

نبی کریم ﷺ کی طرف 'غلط پالیسی' کی نسبت کرنا 'کذب علی الرسول' اور یہ کتنا بڑا گناہ ہے اس سے آں موصوف (مودودی صاحب) غالباً واقف ہوں گے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اگر حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ نے غیر سابقین کو برقرار رکھا یا اُن کے عہد میں غیر سابقین کی غالب اکثریت تھی تو اس سے صحابہ کیونکر رنجیدہ ہو سکتے تھے۔ جب کہ حضور نبی کریم ﷺ اور شیخین کا بھی یہی طرز عمل تھا۔ گویا مدیر موصوف نے ایک افسانہ نویس کی طرح پہلے ایک فضاء بنائی اور پھر سوچ سوچ کر اسباب تراشے، اور بلا خوف وخطر سپرد قلم کر دیا اور نہ ڈرے کہ قلم 'کذب علی الرسول' کا مرتکب ہو رہا ہے۔ یہ تنقید کا نتیجہ کہ تنقیص کر بیٹھے۔ العیاذ باللہ۔

سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ

'علی' یہ سہ حرفی لفظ اپنے اندر کتنی جامعیت، وسعت اور بلند پائیگی رکھتا ہے اس کا احساس وادراک ہی مشکل ہے اور پھر وہ 'علی' اسم بامسمّیٰ کیوں نہ رہے جس کی صبح وشام پر 'سیدِ کائنات' کی نظر ہو 'حسن' جس کا قلب اور 'حسین' جس کا جگر ہو۔ جو مکانِ صحابیت کے صحنِ طہارت میں ہمہ وقت 'مصروف عبادت ہو' جو خلیفہ بن کے خلافت راشدہ میں 'چار چاند' لگا دے۔

اسی لیے سید الفقہا والمحدثین حضرت امام احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ والرضوان نے بھری بزم میں فرمایا:

یا هولاء قد اکثرتم القول فی علی الخلافة ان الخلافة لم تزین علیا بل علی زینها[1]

اے لوگو! تم نے علی اور خلافت علی کے بارے میں گفتگو طویل کر دی۔ خلافت نے علی کو زینت نہیں بخشی بلکہ علی نے خلافت کو زینت بخشی۔

[1] مناقب الامام احمد ص ۱۶۳۔

قبولِ اسلام:- سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنی دس سالہ بے غبار زندگی کو مزید سکون وعافیت بخشنے کے لیے اپنے آپ کو حضرت رسالت مآب ﷺ کی 'کالی کملی' میں چھپا لیتے ہیں۔ سرزمین عرب پر کوئی ایسا بچہ نہ تھا جو دامنِ مصطفےٰ پکڑنے میں سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر سبقت لے جاتا۔

ہجرت:- اہل باطل اپنی ناکامی اور احساسِ شکست کے غیر مندمل زخموں سے بدحواس ہوکر کاشانۂ نبوت کا محاصرہ کر لینے پر مجبور ہو جاتے ہیں لیکن انھیں معلوم نہ تھا کہ جب تک 'رسول اکرم' کے لیے بستر موت پر لیٹنے والا 'علی' اور 'راہ خطر' پر چلنے والا 'ابوبکر' ہے وہ بال بیکا نہ کر سکیں گے۔

شرفِ مصاہرت:- ہجرت کے دوسرے سال نبی کریم ﷺ نے سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ایسی ناقابلِ فراموش لہر عطا فرمائی جس کے سنگم سے 'حسن اور حسین (رضی اللہ عنہما)' جیسے گوہر تابدار ابھرے جنھوں نے عالم امکان کو جذبۂ ایمان وعمل سے بھر دیا۔

سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ازدواجی زندگی فقیرانہ ہوتے ہوئے بھی نہ صرف دولتِ اُلفت سے پُر تھی بلکہ اس کی چوکھٹ پر شاہانہ معیار حیات، بجود نیاز لٹاتا ہوا نظر آتا ہے۔

علم:- حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب ہمیں کوئی شرعی حکم سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ذریعہ معلوم ہو جائے تو کسی اور کی طرف رجوع کرنے کی حاجت نہیں رہتی۔

دیگر فضائل:- سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نہ صرف یہ کہ عشرہ مبشرہ کے ایک ممتاز فرد اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے امکانی جانشینوں میں سے تھے۔ بلکہ رسول اکرم ﷺ

کی جانب سے یمن میں اشاعت اسلام کے بعد قاضی مقرر ہوئے آپ نے اس فریضے کو انتہائی عدل وانصاف اور بڑی لیاقت وذہانت کے ساتھ انجام دیا۔

خلفائے ثلاثہ کے نورانی عہد میں بھی آپ کی بصیرت علمی نے بہت سے الجھے ہوئے احکام وقضایا کے سلجھانے میں مدد دی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم میں سب سے بہتر مقدمات کا فیصلہ کرنے والے علی ہیں ۔[1]

اگر میں اس مقام پر اسلامی غزوات میں سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شرکت اور اُن کی بے پناہ شجاعت اور استقامت کا ذکر چھیڑ دوں تو کاغذ اپنی تنگ دامانی کا شکوہ کرنے لگے گا اس لیے اختصار کے پیش ہم صرف خلافت علی کا تذکرہ شروع کرتے ہیں۔

خلافتِ سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ:۔

شہادتِ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بعد تین دن تک مسند خلافت خالی رہی۔ غافقی (امیر مفسدین مصر) مسجد نبوی میں امامت کے فرائض انجام دیتا رہا۔ دریں اثناء آفاقیوں نے سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا نام خلافت کے لیے تجویز کیا۔ پہلے سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہت انکار کیا لیکن جب اکابر صحابہ نے بھی اصرار کیا تو آپ نے اس ذمہ داری کو قبول فرمالیا۔

خطبہ خلافت:۔

بیعت خلافت کے بعد آپ نے ایک فصیح وبلیغ خطبہ دیا جس میں اطاعت الٰہی اور امر ونواہی پر عمل پیرا ہونے کی ترغیب دی' مسلمانوں کو آپس میں اخلاص ومحبت اور اتحاد واتفاق کے ساتھ رہنے کی تاکید فرمائی' حقوق اللہ اور حقوق العباد کی وضاحت کی۔

---

[1] تاریخ ملت حصہ دوم ص ۳۱۲۔

مطالبۂ قصاص:۔

خطبہ کے بعد صحابہ کی ایک جماعت جس میں حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما جیسی عظیم المرتبت شخصیتیں تھیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں اور عرض کیا:

'آپ خلیفہ منتخب ہو چکے اور اب آپ کا پہلا کام حدودِ شرعیہ کا اجرا ہے۔ لہٰذا قاتلانِ عثمان سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ لیجئے۔ ہم نے اسی شرط پر آپ کے ہاتھ پر بیعت کی ہے'۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

'میں خونِ عثمان کو رائیگاں نہ جانے دوں گا۔ لیکن ابھی اس کا موقع نہیں ہے آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہم مفسدین سے گھرے ہوئے ہیں۔ مدینہ میں انھیں کا زور ہے۔ اور امر خلافت ابھی مستحکم نہیں ہوا ہے۔ آپ تامل فرمائیں جب حالات سازگار ہوں گے میں یہ فرض ضرور انجام دوں گا'۔

امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ جواب سن کر لوگوں میں مختلف خیالات کا اظہار کیا جانے لگا۔ بعض نے کہا حضرت علی رضی اللہ عنہ قصاص سے گریز کر رہے ہیں اگر وہ اس فرض کو انجام نہ دیں گے تو ہم خود انجام دے لیں گے۔ مفسدین نے سوچا کہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اطمینان کی فضا میں سانس لینے کا موقع ملا تو پھر ہماری خیر نہیں لہٰذا کوشش کی جائے کہ ایسی فضاء پیدا ہی نہ ہو۔

اعراض بیعت کے اسباب وعلل:۔

تاریخ کا معمولی مبتدی بھی جانتا ہے کہ اکابر انصار میں سے ایک بڑی جماعت نے بیعت نہیں کی۔ مثلاً حضرت حسان بن ثابت، حضرت کعب بن مالک، حضرت مسلمہ بن مخلد،

حضرت ابوسعید خدری، حضرت محمد بن مسلمہ، حضرت نعمان بن بشیر، حضرت زید بن ثابت، حضرت رافع بن خدیج، حضرت فضالہ بن عبید، حضرت کعب بن عجرہ۔ علاوہ ازیں حضرت قدامہ بن مظعون حضرت عبداللہ ابن سلام اور حضرت مغیر بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی بیعت سے انکار کردیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا خون آلود کرتا اور حضرت نائلہ رضی اللہ عنہا کی کٹی ہوئی انگلیاں جب جامع دمشق میں پیش کی گئیں تو ساٹھ ہزار حامیان عثمان کی داڑھیاں جن میں اجلہ صحابہ بھی تھے آنسوؤں سے تر ہوگئیں اور ساری مسجد 'انتقام' 'انتقام' کے نعروں سے گونج اٹھی۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ان حالات سے آگاہ کرنے کے لیے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے شام سے ایک قاصد روانہ کیا اور اُس نے بھری بزم میں کہا:

'حضرات! میں نے شام میں پچاس ہزار شیوخ کو اس حال میں چھوڑا ہے کہ اُن کی داڑھیاں آنسوؤں سے تر ہیں انھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خون آلود قمیص کو نیزوں پر اُٹھا رکھا ہے۔ اور قسم کھالی ہے کہ جب تک قاتلینِ عثمان سے انتقام نہ لیں گے اُن کی تلواریں بے نیام رہیں گی۔

اس پر خالد بن زفر عبسی نے کھڑے ہوکر کہا:

'اے قاصد شام! کیا تو مہاجرین و انصار کو لشکر شام سے ڈرانا چاہتا ہے۔ خدا کی قسم! قمیصِ عثمان، قمیصِ یوسف نہیں۔ نہ معاویہ کا غم، یعقوب کا غم ہے۔ اگر شام میں اُن کا ماتم کرنے والے ہیں تو عراق میں اُن کی توہین کرنے والے بھی ہیں'۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے طرفدار خالد بن زفر عبسی کی زبان سے اس الزام کو سن کر فرمایا۔

'اے اللہ! تو خوب جانتا ہے کہ میں عثمان کے خون سے بری ہوں۔ واللہ قاتلین عثمان تو بچ کر نکل گئے'۔

ایک گروہ کا جس کی تعداد مصر میں کافی تھی کہنا تھا کہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قاتلینِ عثمان سے جو ہمارے ہی عزیز و اقارب ہیں قصاص نہ لیا تو ہم اُن کے طرفدار ہیں۔ اس بات کی شہرت نے مخلص اصحاب رسول کے قلوب میں ہیجان برپا کردیا۔ اور بعض اس خیال کے شکار ہوگئے کہ جب تک لشکر علی کی تطہیر نہ ہوجائے قصاص ممکن نہیں لہٰذا وہ بیعت سے محترز رہے۔

ادھر بصرہ سے باہر مقام مربد میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کو خطاب کرکے سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے فضائل بیان کئے اور اُن کے خونِ ناحق کا بدلہ لینے کی ترغیب دی۔ پھر اُم المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے خود تقریر فرمائی اور حضرت سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ کی بے گناہی اور مفسدین کے جذبۂ خوں آشامی کو واضح کیا نیز قاتلوں سے انتقام لینے کو شرعاً لازمی قرار دیا۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی تقریر کچھ ایسی موثر اور جذباتی تھی کہ لشکر مخالف کے آدھے درجن نوجوان نعرۂ انتقام بلند کرتے ہوئے لشکرِ عائشہ میں شامل ہوگئے۔

اب رہا اہل مدینہ کے بعض اکابر صحابہ کا معاملہ تو انھوں نے سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی مدد سے ہاتھ کھینچ لیا اُن کے لیے یہ بات بہت سخت تھی کہ امیر المومنین' اُم المومنین سے لڑیں۔ چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

فاعطنی سیفا یعرف المسلم من الکافر

آپ مجھے ایسی تلوار دیجئے جو مسلمان اور کافر میں تمیز کرے۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا:

انشرك الله ان تحملنی علی مالا اعرف

میں آپ کو اللہ کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ آپ مجھے اس چیز پر محمول نہ کریں جسے میں خود نہیں جانتا۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ:

’آپ مجھے اس پر مجبور نہ کریں جس کو میرا دل نہیں چاہتا‘۔

حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

ان رسول الله صلی الله علیه وسلم امرنی ان اقاتل بسیفی ما قوتل به المشرکون فاذا قوتل اهل الصلوٰة ضربت به ضحر حد حتی ینکسرو قد کسرته بالامس.

رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو حکم دیا تھا کہ میں اپنی تلوار سے اس وقت تک لڑوں جب تک اس سے مشرکین سے جنگ کی جائے اور جب نمازیوں سے جنگ ہو تو اسے جبل احد کے کسی پتھر پر ماروں تاکہ ٹوٹ جائے میں نے کل اپنی تلوار توڑ دی ہے۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے عرض کیا:

اعفنی انخروج معك فی هذا لوجه فانی عاهدت الله ان لا اقاتل من یشهد ان لا اله الا الله.

آپ مجھے اپنے ساتھ نکلنے سے معاف کیجئے میں نے اللہ سے عہد کیا ہے کہ کلمۂ شہادت پڑھنے والے سے جنگ نہیں کروں گا۔

اس کنارہ کشی سے قدرتی طور پر یہ نتیجہ ہوا کہ طالبانِ قصاص کا ایک لشکر جرار بصرہ میں اکٹھا ہو گیا اس لشکر کے خلوص اور جذبۂ للہی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ انتہائی

اشتعال کے باوجود سبھی نے توازن اور اعتدال کو برقرار رکھا۔ چنانچہ اعلان عام کیا گیا کہ:

’جتنے لوگ قتلِ عثمان ذی النورین میں شریک ہیں وہ جماعت سے باہر ہو جائیں‘۔

اس اعلان نے لشکر عائشہ کے نقطہ نظر کو واضح کر دیا کہ اُن کا مقصد تعمیری ہے۔ اس جذبۂ حق پسندی نے فریقین کے قلوب کو صلح و آشتی کی طرف قدرتاً موڑ دیا اور تھوڑی سی جدوجہد کے بعد فریقین اس بات پر متفق ہو گئے کہ سب مل کر قاتلانِ عثمان سے قصاص لیں گے اور خلافتِ علی کو عملاً مستحکم کیا جائے گا۔ یعنی تکمیل بیعت بھی کی جاتی رہے گی کہ آنے والی صبح کو عہد نامہ مرتب ہونا قرار پایا۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں:

دعؤا جمیعا علی الصلح وباتوا بخیر لیلة بیتو بمثلها للعافیة وبات الذین اثاروا امر عثمان بشر لیلة باتوها قط.

فریقین صلح پر تیار ہو گئے اور چین کی نیند سوئے ایسے اطمینان کی نیند اب تک نہ لے سکے تھے لیکن جنھوں نے حضرت عثمان کے خلاف ہنگامہ برپا کیا تھا اُن کی نیند اس رات حرام ہو گئی تھی۔

شرابِ معصیت سے بدمست ان مفسدین کو آج رات نیند صرف اس لیے نہیں آ رہی تھی کہ یہ صلح فقط صلح نہ تھی بلکہ اُن کے لیے پیغامِ موت تھی دُنیا کے لیے گناہوں کا وبال سر پر رکھنے والے اتنی آسانی سے دُنیا چھوڑنے کہیں راضی ہو سکتے تھے؟ چنانچہ رات کی تاریکی نے جب زلف سیہ کو فضا میں لہرایا تو مفسدین کے تاریک قلوب تقویت محسوس کرنے لگے۔ فریقین محوِ خواب ہیں مفسدین نے موقعہ سے فائدہ اُٹھایا اور خیمہ عائشہ پر ظلمت شب کو ڈھال بنا کر تیر برسانا شروع کر دیا۔ اللہ اللہ اس عائشہ پر تیر برسائے جا رہے ہیں جن کی فراست دینی اور تفقہ فی الدین پر اجلہ صحابہ وخلفائے راشدین کو اعتماد اور بھروسہ تھا۔

جن کی شان عفت پر آیات کا نزول ہوا۔ صحابہ کے پر پیچ مسائل کی گرہوں کو جن کے ناخن تدبیر نے کھول دیا ہو۔ جس نے بلا واسطہ درس گاہِ نبوت سے فیض حاصل کیا ہو۔ جن کے مقدس اور پاکیزہ حجرے میں جبریل امین وحی لے کر حاضر ہوئے ہوں۔ ہاں وہی سیدہ عائشہ جن کے لیے قرآن مجید کا ارشاد محکم ہے ﴿اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ﴾ [1] اور آج مومنین کی اس ماں پر تیر کی بارش ہو رہی ہے۔ ایک عائشہ اور طلحہ اور زبیر ہی کیا، دُنیا کا کوئی بھی آدمی ہوتا تو غلط فہمی میں مبتلا ہو کر یہی کہتا کہ لشکر علی سے آنے والا تیر اس بات کی دلیل ہے کہ علی نے عہد شکنی کی'۔

نتیجتاً لشکر عائشہ نے بھی جوابی تیر برسائے۔ اس موسلا دھار بارش کی جب چند چھینٹیں خیمہ علی پر پڑیں تو مومن کا دل و دماغ سوچنے لگا کہ تیر اس علی پر برسائے جا رہے ہیں جن کا تذکرہ قرآن و احادیث میں' جن کے محاسن اخلاق تاریخ اسلام میں تہذیب و تمدن اخلاق و تدین، عبادت و ریاضت، تقویٰ و طہارت اور بے پناہ شجاعت اور استقامت کے تذکرے صدیقین شہداء، صالحین کی زبانوں پر۔ غرض یہ کہ جن کا چرچا بحر و بَر پر، فرش و عرش پر ہے آج اُسی علی کے خیمہ کو تیروں سے چھلنی کیا جا رہا ہے۔ ایک علی ہی کیا دُنیا کا کوئی بھی انسان ہوتا تو غلط فہمی میں مبتلا ہو کر یہی کہتا کہ لشکرِ عائشہ سے آنے والا تیر اس بات کی دلیل ہے کہ عائشہ نے عہد شکنی کی۔

بہر حال لڑائی چھڑ گئی اور ہر فریق یہ سوچتا رہا کہ مدافعت صرف ہم کر رہے ہیں۔ لشکر مخالف ہی جارح اور عہد شکن ہے اسی طرح مفسدین اپنے ارادوں میں اس اسکیم کے ذریعہ کامیاب ہوگئے۔ صلح جنگ میں بدل گئی اور مسئلہ قصاص پھر کھٹری میں پڑ گیا۔

---

[1] خون کے آنسو حصہ اول ص ۲۱۳۔

اختلافات بڑھ گئے اور جان اس کی بچ گی جن کی بچنی نہیں چاہئے تھی۔ مفسدین کی اس عیاری سے جو جنگ ہوئی اسی کو جنگ جمل کہتے ہیں۔

قصاصِ عثمانی کے جذبہ بے پناہ کے نتیجہ میں دوسری جنگ ظہور پذیر ہوئی جسے جنگ صفین کہتے ہیں مگر اس جنگ میں طالبانِ قصاص کے قائد رہبر حضرات عائشہ، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم کے بجائے' معاویہ بن ابی سفیان' رضی اللہ عنہم تھے گویا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے وہی علمِ اختلاف بلند کیا جو اس سے پہلے حضرات عائشہ، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم نے بلند کئے تھے۔

اس سے قبل کے میں' آویزش صفین' پر قلم اُٹھاؤں' مناسب سمجھتا ہوں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا مختصر تعارف کرادوں۔

ومن یکن یطعن فی معاویہ
فذاک کلب من کلاب الھاویہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن کرنیوالا دوزخ کا کُتّا ہے

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

آپ 'بیت ابی سفیان' جو بجا طور پر 'بیت النور' کہلانے کا مستحق ہے کہ ایسے گوہر تابدار اور اسلام کے ایسے بطل جلیل ہیں جن کے مقناطیسی کارناموں سے اسلامی تاریخ بھری پڑی ہے اسی لیے ملت اسلامیہ کا کوئی فرد ان کے کارناموں کو فراموش نہ کر سکا۔

حلیہ مبارک:۔ جس طرح آپ سیرت و کردار میں اعلیٰ تھے اسی طرح آپ کی صورت میں ایک خاص کشش اور جاذبیت تھی۔ رنگ سرخ و سپید کا امتزاج سروقد، لحیم و شحیم وضع قطع اور چال ڈھال میں ایک خاص قسم کا رُعب اور تمکنت، رنگ گورا، چہرہ کتابی، آنکھیں موٹی اور چتون شیر کے مانند۔ صورت وجیہہ، بظاہر شان و شوکت اور تمکنت لیکن مزاج میں زہد و تواضع اور فروتنی، نہایت درجہ بُردبار، حلیم اور وسیع القلب، فقیر کی مسکنت اور امیر کی تمکنت کا بہترین امتزاج، ڈاڑھی گھنی مہندی اور وسمہ کے خضاب سے رنگی ہوئی۔

گویا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا پورا حلیہ مبارک جلال و جمال کا حسین اور پُرکیف سنگم تھا۔

اسلامِ معاویہ رضی اللہ عنہ :۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے صلح حدیبیہ کے فوراً بعد اسلام قبول کیا ہے۔ امام عساکر نے اس کی تصریح کی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے صلح حدیبیہ اور عمرہ قضا کے درمیان اسلام قبول کیا۔ [1]

اس امر کی تائید و تصدیق صحیح بخاری کے اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بال کی تقصیر کی ہے مروہ کے نزدیک اور

---

[1] تقریب التہذیب ص ۳۵۷۔

حضور ﷺ نے تقصیر فرمائی ہے عمرۂ قضاء میں جو حدیبیہ کے بعد ہوا۔ تو معلوم ہوا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مسلمان ہو چکے تھے اور بحالت مسلمان عمرۂ قضاء میں (رسول اللہ ﷺ کے ساتھ) شریک تھے۔

اب رہا اسلام چھپانا تو اگر عذر ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ آخر حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی بدر کے دن مسلمان ہوئے تھے مگر فتح مکہ تک اسلام کو پردۂ خفا میں رکھا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے 'قبل فتح مکہ' ایمان لانے کا تذکرہ شیخ الاسلام علامہ ابن حجر عسقلانی نے بھی کیا ہے:

معاويه بن ابي سفيان خليفة صحابي اسلم قبل الفتح.

حضرت معاویہ خلیفہ اور صحابی ہیں۔ فتح مکہ سے پہلے ایمان لائے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے گھریلو ماحول کا دباؤ دراصل اظہار میں مانع تھا کیونکہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اس زمانے میں قریش کے سردار اور قائد تھے۔ مصطفےٰ جان رحمت کی مخالفت میں پیش پیش تھے۔ بھلا وہ کیسے برداشت کرسکتے تھے کہ مصطفےٰ نور مجسم کا وہ نورانی چشمہ جاری ہو پڑے جس کو بند کرنے کے لیے وہ ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔

چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں:

اسلمت يوم عمرة القضاء ولكنى كتمت اسلامى من ابى الى يوم الفتح [1]

میں عمرۂ قضاء کے روز اسلام لایا تھا مگر اپنے والد کے ڈر سے فتح مکہ تک اپنے اسلام کو چھپائے رکھا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اگرچہ اسلام کو مخفی رکھنے کی کوشش کی لیکن اس کے باوجود اُن کے والد کو پتہ چل ہی گیا چنانچہ ایک دن انھوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا:

---

۱ البدایہ والنہایہ ج۸ ص۱۱۸

هذا اخوك يزيد وهو خير منك على دين قومه [1]

تم سے تو تمہارا بھائی یزید ہی اچھا ہے جو اپنے قومی یعنی آبائی دین پر قائم ہے۔

درایۃً بھی یہی بات صحیح اور درست ثابت ہوتی ہے کیونکہ 'فتح مکہ' سے قبل حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسلام کے خلاف کسی جنگ میں شرکت نہیں فرمائی حالانکہ آپ کے والد اور خاندان کے دوسرے افراد ان جنگوں میں پیش پیش تھے۔ [2]

مشہور مورخ مصطفےٰ بک نجیب رقمطراز ہیں:

'جہاں تک امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا تعلق ہے اُن کا معاملہ ایسا ہی ہے جیسے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کا جو جنگ بدر کے موقع پر ہی مشرف با اسلام ہو چکے تھے لیکن اپنے اسلام کا اعلان آپ نے فتح مکہ سے کچھ پہلے کیا۔ چنانچہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی صلح حدیبیہ کے موقع پر حلقہ بگوش اسلام ہو چکے تھے لیکن اپنے اسلام کا اعلان فتح مکہ کے روز کیا'۔ [3]

اب جب کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فتح مکہ سے بہت پہلے صلح حدیبیہ اور عمرۂ قضاء کے درمیان ایمان لائے تو انکا شمار 'مولفۃ القلوب' میں ہرگز نہیں ہوسکتا۔ مولفۃ القلوب کا وجود فتح مکہ کے بعد ہوا ہے اور جو کچھ حضور ﷺ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا وہ بطور تالیف نہ تھا بلکہ عطائے محض تھی۔ جس طرح سرکار دو عالم ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو مال بحرین سے عطا فرمایا تھا جس کا مقصود تالیف قلب نہ تھا بلکہ وہ عطائے محض تھی۔ (ملاحظہ ہو تطہیر الجنان واللسان ابن حجر مکی)

---

۱ البدایہ والنہایہ ج۸ ص۱۱۸، ۲ معاویہ ج۱ ص۷۳، ۳ حجۃ الاسلام ج۱ ص۱۶۳۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نگاہِ رسالت میں :--

تعلیم کتاب کی دُعا حضور آیہ رحمت ﷺ نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دو ایک صحابہ کے لیے فرمائی ہے۔ یہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خوش نصیبی ہے کہ وہ بھی انھیں حضرات میں سے ایک ہیں۔ چنانچہ امام ابن کثیر اپنی تاریخی کتاب البدایہ و النہایہ میں سرکار دو عالم ﷺ کے یہ دُعائیہ الفاظ نقل کرتے ہیں۔ جو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں کہے گئے ہیں۔

اللّٰھم علمه الکتاب والحساب وقه العذاب[1] — اے اللہ ! معاویہ کو کتاب اور حساب سکھا دے اور عذاب سے محفوظ فرما۔

ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں:

اللّٰھم علمه الکتاب ومکن فی البلاد وقه فی العذاب[2] — اے اللہ ! معاویہ کو کتاب کا علم سکھا دے اور اُن کو شہروں مُیں حکومت عطا فرما اور عذاب سے محفوظ رکھ۔

امام بخاری اپنی تاریخ کبیر میں یہ الفاظ نقل فرماتے ہیں:

اللّٰھم علم معاویه الحساب وقه العذاب[3] — اے اللہ! معاویہ کو علم حساب عطا فرما اور عذاب سے محفوظ فرما۔

امام ابن کثیر نے طبرانی کے حوالے سے اپنی تاریخ میں نقل فرمایا ہے کہ عبداللہ ابن بسر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا:

فانه قوی امین ۔[4] — معاویہ قوی اور امین ہیں۔

---

۱ البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۲۱، ۲ التاریخ الکبیر ج ۴ ص ۳۲۸، ۳ البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۲۱، ۴ البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۲۲

ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ' سرکار دو عالم ﷺ کو وضو کرا رہے تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں کہ وضو فرماتے ہوئے مصطفٰے جان رحمت نے میری طرف نگاہ اُٹھائی اور فرمایا:

یا معاویه ان ولیت امر فاتق الله وعدل[1] — اے معاویہ اگر تمہیں حکومت ملے تو اللہ سے ڈرنا اور عدل سے کام لینا۔

امام ابن اثیر یہ الفاظ نقل کرتے ہیں:

ان ولیت فاحسن[2] — اگر تم والی بنو تو حسن سلوک سے کام لینا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت اسلامیہ کی پیش گوئی کے ساتھ ساتھ آپ کی بے پناہ طاقت وقوت، عزم واستقامت کے متعلق سرکارِ رسالت ﷺ کا ارشاد مبارک جس پر تاریخی حقائق بھی شاہد عدل ہیں کہ

ان معاویه لا یصارع احدا الا صرعه معاویه[3] — لڑ بھڑ کر معاویہ پر غلبہ حاصل نہیں کیا جاسکتا۔

آخرت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر انعامات الٰہی اور فیوض ربانی کا ذکر سرکار اَبد قرار ﷺ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

بعث معاویه یوم القیامة وعلیه رداء نور الایمان[4] — اللہ تعالیٰ بروز قیامت معاویہ کو اس حالت میں اُٹھائے گا کہ اُن پر نورِ ایمان کی چادر ہوگی۔

---

۱ البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۳۲، ۲ اسد الغابہ ج ۴ ص ۳۸۷، ۳ ، ۴ کنز العمال ج ۷ ص ۱۹۰،

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وسعت قلبی اور حلم و بردباری کا تذکرہ لسانِ نبویہ نے ان الفاظ میں کیا ہے:

احلم اُمتی معاویہ ۱

معاویہ میری امت میں سب سے بڑا حلیم ہے

ایک موقعہ پر فرمایا:

اللّٰھم اجعلہ ھادیا ومھدیا واھدیہ ۲

اے اللہ معاویہ کو ہادی اور مہدی اور لوگوں کے لیے ذریعہ ہدایت بنا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نگاہِ ہم عصر میں:-

حضرت قتادہ فرماتے ہیں:

لو اصبحتھم فی مثل عمل معاویہ تعال اکثرکم ھذا مھدی۔

اگر تم معاویہ کے سے حالات و معاملات میں ہوتے تو پکار اٹھتے کہ یہ 'مہدی' ہے۔

اس بات کو سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خاص عقیدت مند ابو اسحاق السبیعی نے ان الفاظ میں فرمایا ہے:

لو ادرکتموا ادرکتم ایامہ تعلتم کان المھدی۔ ۳

اگر تم معاویہ کو پالیتے تو کہہ اٹھتے کہ یہی مہدی ہیں۔

علامہ ابن جریر طبری نے قبصہ ابن جابر اسدی سے ایک روایت نقل کی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ میں عمر رضی اللہ عنہ کی صحبت میں رہا' اُن سے زیادہ میں نے کسی فقیہ اور دینی ممارست والا نہیں دیکھا پھر میں حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کی صحبت میں رہا' اُن سے زیادہ میں نے کسی کو بغیر سوال کے دینے والا نہیں دیکھا۔

۱ تطہیر الجنان بر حاشیہ صواعق محرقہ ص ۵۵ ۲ جامع ترمذی ۳ البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۴۵

ثم صحبت معاویہ فما رأیت رجلا احب رفیقا ولا اشبہ سریرۃ بعلانیۃ منہ ۱

پھر میں حضرت معاویہ کی صحبت میں رہا' اُن سے زیادہ میں نے کسی کو دوستوں کو محبوب رکھنے والا نیز ظاہر و باطن میں یکساں کسی کو نہیں دیکھا۔

ظاہر و باطن کی یکسانیت اور تمکنت و مسکنت کا یہ حسین امتزاج ہی دراصل ایک آدمی کے کیرکٹر کا نقطہ عروج ہے اسی وجہ سے حضرت سلیمان بن مہران الاعمش جو کہ ائمہ حدیث میں ہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے صدق کی وجہ سے 'المصحف' کے نام سے پکارتے تھے ۲

حضرت مجاہد کے یہ الفاظ منقول ہیں:

لو ادرکتم معاویہ تعلتم ھذی المھدی ۳

اگر تم معاویہ کو پالیتے تو بول اُٹھتے کہ یہی مہدی ہیں

امیر المومنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تالیف قلب، عدل و انصاف اور حقوق کی ادائیگی میں خاص اہتمام فرماتے تھے اسی وجہ سے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جو کہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ امیر المومنین کے بارے میں فرماتے ہیں:

مارأیت احدا بعد عثمان اقضی من ھذا الباب یعنی معاویہ ۴

میں نے عثمان کے بعد اس دروازے والے یعنی معاویہ کو بہتر فیصلہ کرنے والا پایا۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

مارأیت احدا اشبہ صلٰوۃ بصلٰوۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من امامکم ھذا یعنی معاویہ۔ ۵

میں نے تمہارے امام یعنی معاویہ کی نماز کو رسول اللہ ﷺ کی نماز سے غیر معمولی مشابہ پایا۔

۱ تاریخ طبری ج ۶ ص ۱۸۸ ۲ العواصم من القواصم ۲۰۵ تعلیقہ ۳ العواصم من القواصم ۲۱۰ تعلیقہ ۴ البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۳۳
۵ منہاج السنۃ ج ۳ ص ۱۸۵

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جب کسی نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فقہی اعتراض کیا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جو جواب دیا وہ صحیح بخاری میں یوں ہے:

اصاب فانه فقيه ۔ [1] — ٹھیک ہے بیشک وہ فقیہ ہیں۔

گورنر حمص حضرت عمیر رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے تحت اُن کے علاقے کو کر دیا تو لوگوں نے حضرت عمیر رضی اللہ عنہ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق بعض اس قسم کی شکایتیں کیں کہ وہ ابھی نوجوان اور ناتجربہ کار ہیں تو حضرت عمیر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

لا تذكروا معاويه الا بخير فاني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول اللهم اهديه ۔ [2]

معاویہ کی اگر بات کرنی ہے تو بھلائی سے کرو کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اے اللہ معاویہ کو ذریعہ ہدایت بنا۔

اسی طرح ایک اور روایت امام ابن کثیر نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے بھی نقل کی ہے کہ جب لوگوں نے کہا کہ عمیر (رضی اللہ عنہ) تجربہ کار اور کہنہ مشق گورنر ہیں اُن کی جگہ پر معاویہ (رضی اللہ عنہ) مناسب نہیں اس لیے کہ ابھی یہ نوجوان ہیں تو سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جواباً فرمایا کہ معاویہ (رضی اللہ عنہ) کا ذکر جسے بھی کرنا ہو وہ بھلائی سے کرے کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو خود فرماتے ہوئے سنا ہے کہ 'اے اللہ معاویہ کو ذریعہ ہدایت بنا'۔ ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ اے اللہ معاویہ کو ہدایت دے اور ہدایت کا ذریعہ بھی بنا۔ [3]

---

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۳۱ [2] جامع ترمذی ص ۷۴۷ والتاریخ الکبیر للبخاری ج ۴ ص ۳۲۸ [3] البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۲۲

قارئین کو مذکورہ بالا بیس (۲۰) شہادتوں سے یہ اندازہ ہو گیا ہو گا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ' سید کائنات ﷺ اور اکابر صحابہ کے نزدیک ہادی و مہدی، لائق و فائق، فقیہ و مجتہد، ظاہر و باطن میں یکساں، شفیق و رحم دل اور حلیم بردبار تھے نیز آپ کی نماز نبی کریم ﷺ کی نماز سے غیر معمولی مشابہ تھی۔

کتابت وحی :-

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذہنی، فکری اور عملی خوبیوں کی بناء پر سرکار دو عالم ﷺ کو آپ پر بے پناہ اعتماد تھا۔ چنانچہ بارگاہِ رسالت سے کتابتِ وحی کا منصب جلیلہ عطا ہوا۔ شیخ الاسلام حافظ ابن حجر علیہ الرحمۃ تقریب التہذیب میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا تعارف کراتے ہوئے 'کتابت وحی' کا اعتراف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

معاويه بن ابى سفيان خليفة صحابى اسلم قبل الفتح وكتب الوحى۔ [1]

حضرت معاویہ بن ابی سفیان خلیفہ اور صحابی ہیں فتح مکہ سے قبل اسلام لائے اور کاتب وحی تھے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو 'کاتب رسول' خود شیعی مورخ ابن ابی الحدید نے بھی لکھا ہے:

كان احد كتاب رسول الله ﷺ [2] — حضرت امیر معاویہ رسول اللہ ﷺ کے کاتبوں میں سے تھے۔

بہرحال وحی الٰہی کی کتابت کے لیے کسی ایسے ہی مخلص ترین شخص کو منتخب کیا جا سکتا ہے جس کی عظمتِ ایمانی اور طہارتِ قلبی ناقابل انکار ہو۔ اسی لیے شاتمان معاویہ نے اپنے فاسد جذبے کی تسکین کے لیے اس بات کو کافی اچھالا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو

---

[1] تقریب التہذیب ص ۳۵۷ [2] ابن ابی الحدید ج ۱ ص ۳۳۸

صرف خط و کتابت کے لیے مقرر فرمایا تھا۔ گویا اُن لوگوں کے نزدیک 'نبی کی نبوت' اور نبی کی امامت میں کوئی ایسا فرق ہے کہ اس کے لیے معاذ اللہ امانت و ایمان ضروری نہ ہو۔ حالانکہ جملہ نامہ ہائے مبارک جو قیصر و کسریٰ کو روانہ کئے گئے وہ سب وحی الٰہی کے تحت ہے چنانچہ ارشاد ربانی ہے :

﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾ (النجم/۳) اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے وہ تو صرف وحی ہے جو انھیں کی جاتی ہے۔

یہ مقام غور و فکر ہے کہ جب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو 'عالم حساب و کتاب، ہادی و مہدی، قوی و امین، حاکم حکومت اسلامیہ اور محفوظ عن العذاب کے روپ میں دیکھنے کے لیے بارگاہِ ایزدی میں دُعا کرتے ہیں۔ جو قطعاً مستجاب ہوئیں۔ پھر ایسی صورت میں اگر کوئی شخص حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے کارناموں اور اُن کی بے پناہ مقبول شخصیت میں نقص نکالنے کی کوشش کرتا ہے۔ تاریخ کے بعض لغو، مہمل، ساقط الاعتبار اور موضوع روایات کا سہارا لے کر اُن کی طرف ناشائستہ اعمال و افعال منسوب کرتا ہے جو ہدایت و حکمت سے خالی ہوں تو معترض اور مفتری کو خود اپنے لیے ہدایت تلاش کرنی چاہئے۔

اللہ اللہ! آج بعض لوگ اس ذات بابرکات سے متنفر نظر آتے ہیں جو نگاہِ رسالت میں ہدایت یافتہ تھی، قوی و امین تھی، حلیم و بردبار تھی۔ ایک اُمتی کے لیے سب سے بڑا سرمایہ حیات یہی ہے کہ اُس کا 'رسول' اس دُنیا میں اُس کے لیے دین کی سمجھ اور آخرت میں 'عذاب سے محفوظیت' کی دُعا فرمائے۔ امیر المومنین حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقدیر پر آج اہل بصیرت جتنا بھی رشک کریں کم ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ عہد صدیقی میں :-

عہد صدیقی میں حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے ساتھ جانے والے لشکر مجاہدین میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ایک سرگرم مجاہد کے روپ میں شامل تھے اور اس لشکر کے ہراول دستے کی علم برداری بھی انھیں کے ذمہ تھی [۱] اس کے علاوہ دوسرے موقعوں پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے خود قیادت کے فرائض انجام دیئے۔ [۲]

دورِ صدیقی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے ایک تربیتی دور (Training period) تھا۔ نبی اور صدیق کی نورانی قیادت سے انھوں نے جو اخذِ فیض کیا تھا اور قریش کی وہ امتیازی شان جو اُن میں موجود تھی اس کے جوہر دکھلانے کا موقع ان کو دراصل عہد فاروقی و عثمانی میں میسر آیا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ عہد فاروقی میں :-

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو کون نہیں جانتا رسالت کی زبانِ حق ترجمان نے ان کو "سیف من سیف اللہ" (اللہ کی تلواروں میں ایک تلوار) فرمایا تھا۔ تقریباً سوا سو لڑائیوں میں کفار و مشرکین سے جہاد کیا۔ غزوہ موتہ، سریئہ نجران، سریئہ عزیٰ، مذار، کسکر، عین التمر، حصید، فنافس، شام، عراق، یرموک، حمص اور بیت المقدس کی فتوحات ہی نہیں بلکہ مرتدین کی سرکوبی اور مدعیان نبوت کا استیصال آپ ہی کے مقدس ہاتھوں سے ہوا۔

ان الفتوح اهل الودة كلها كانت الخالد بن الوليد [۳] مرتدین کی سرکوبی تمام تر خالد بن ولید کے ذریعہ ہوئی۔

اور اللہ کی اسی تلوار کو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے صرف اس لیے معزول کردیا کہ انھوں نے ایک قصیدہ گو کو بطور انعام کچھ روپیہ دے دیا تھا۔

---

۱ محاضرات خضری ج ۲ ص ۱۷۱ ۲ فتوح البلدان بلاذری ص ۱۲۳ ۳ طبری ج ۳ واقعات ۱۱ھ

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے نہ صرف یہ کہ تاجدار کائنات ﷺ کے ماموں اور اسلام قبول کرنے والوں میں چھٹے یا ساتویں ہیں ۔ بلکہ غزوۂ بدر، غزوۂ احد، فتح مکہ، غزوۂ طائف، غزوۂ حنین، غزوۂ تبوک اور دیگر غزوات کے مجاہد جانباز تھے، عشرۂ مبشرہ کے ایک فرد، فاتح ایران اور بانی کوفہ تھے، ایسے صاحب فضل وکمال کے مکان کی ڈیوڑھی کو امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس لیے جلوا دیتے ہیں کیونکہ انھیں اطلاع ملی تھی کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ایک عالی شان مکان تعمیر کرایا ہے جس میں ایک ڈیوڑھی ہے۔ جس کی وجہ سے اندیشہ ہے کہ لوگوں کو گورنر تک پہنچنے میں رکاوٹ ہو۔ [1]

حضرت عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر اور عظیم المرتبت صحابی اور مصر کے گورنر تھے، امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں بالوں کا کرتہ پہنا کر جنگل میں بکریاں چَرانے کا حکم صرف اس لیے دیا تھا کہ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی رپورٹ کے مطابق وہ باریک کپڑا پہنتے تھے اور اُن کے دروازے پر دربان مقرر تھا۔ [2]

حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ نہایت بلند پایہ صحابی اور بہترین ماہر قرآن تھے [3] حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُن کو ایک کوڑا اس لیے مارا کہ ایک مرتبہ جب محفل سے اُٹھے تو کچھ لوگ تعظیماً اُن کے ساتھ ہو لئے۔

حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ نے جب وجہ تنبیہ پوچھی تو امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اما تری فتنة للمتبوع ومذلة للتابع تمھیں معلوم نہیں کہ یہ بات متبوع کے لیے فتنہ اور تابع کے لیے سبب ذلت ہے۔

---

۱ ۲ ۳ کنز العمال ج ۶ ص ۳۵۵۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا والیانِ مملکت اور اکابر صحابہ کے ساتھ اس قدر سخت احتساب اور اُن حضرات کے اخلاق و اطوار کی نگرانی اس لیے تھی کہ اگر اُن میں اخلاق و تدین کی ذرہ برابر کمی رہی تو رعایا میں فقدان ملے گا۔

امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ جن کے بارے میں آپ نے ملاحظہ فرمالیا کہ معمولی بات پر سپہ سالاروں اور گورنروں کو معطل کر دیا کرتے تھے اسی لیے عہد فاروقی میں برابر تغیر وتبدل ہوتا رہتا تھا۔ مگر یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بے پناہ صلاحیت اور غیر معمولی مقبولیت کا یہ نتیجہ وثمرہ تھا کہ ولایت شام کے نورانی اور اسلامی مسند پر برسوں رونق افروز رہے، لیکن فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی نگاہِ عزل اور اُن کی طرف کبھی نہیں اٹھی بلکہ، خلیفہ راشد کا اعتماد آپ پر روز افزوں بڑھتا ہی جاتا تھا۔ معزول کرنا، یا کسی قسم کی تبدیلی کو بروئے کار لانا تو بڑی بات ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اختیارات دن بدن وسیع سے وسیع تر ہوتے چلے گئے۔

اس لیے یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بے پناہ صلاحیتوں کے مالک تھے، کامل اعتماد کے قابل تھے امورِ جہاں بانی میں طرۂ امتیاز حاصل تھا۔ اخلاق و تدوین اور اسلامی تہذیب وتمدن سے بھرپور تھے۔ محبوب ہر خاص و عام تھے۔ قریش کی امتیازی صلاحیتیں اُن میں کوٹ کوٹ کر بھری تھیں۔ ایسی صورت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے کردار میں کمزوری پیدا کرنا، یا اُن کا نام سنتے ہیں ناک بھوں چڑھانا یا بعض غالیوں کی طرح 'تلاوتِ تبرا' میں مشغول ہو جانا اگر ایک طرف سخت محرومی کی بات ہے تو دوسری طرف سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی صلاحیت انتخاب کے لیے کھلا چیلنج ہے۔

بیت المقدس کی حاضری پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا استقبال حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بڑی شان و شوکت سے کیا تو سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اعتراض کیا کہ سادہ روی کیوں چھوڑ دی ؟'

اس سوال کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ حکیمانہ جواب دیا :

انا بارض جراسیس العدو فیھا کثیرہ فیجب ان تظھر من عز السلطان ما کیون فیھا عز الاسلام واھلہ ونرھبھم بہ.

ہم ایک ایسی زمین میں ہیں جہاں ہمہ وقت دشمن کے جاسوس کثیر تعداد میں رہتے ہیں لہٰذا اُن کو مرعوب کرنے کے لیے ظاہری شان و شوکت ضروری ہے اس میں اسلام اور مسلمان کی عزت ہے۔

یہ سن کر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا 'امیر المومنین' دیکھئے معاویہ (رضی اللہ عنہ) کتنی خوب صورتی سے اپنے آپ کو الزام سے بچا گئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا

'جب ہی تو یہ بارگراں ہم نے اُن پر ڈالا ہے'۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس جواب پر تبصرہ کرتے ہوئے علامہ ابن خلدون اپنے 'مقدمہ' میں فرماتے ہیں :

چونکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے فعل کی بنا حق و دین کے مقاصد پر رکھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُن کے کلام کی تردید نہیں فرمائی۔ اب یہاں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ سلطنت اگر سرے سے ہی قابل ترک و اجتناب ہوتی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ'

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس جواب کو تسلیم نہیں کرتے جو انھوں نے شان و شوکت کی توجیہہ میں پیش کیا۔ بلکہ اس کو ترک ہی کا حکم دیتے۔ ادھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو یہ فرمایا کہ 'معاویہ یہ کیا دکھاوا ہے'۔ اس سے اشارہ اہل فارس کی ان باطل پرستی و خواہش رانی نہیں ہے۔ بلکہ میرے سامنے دینی مقصد ہے اور اسی پر عمل کی بنا ہے۔ یہ جواب سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ خاموش ہوئے'۔[1]

کفار و مشرکین کو مرعوب کرنے کے لیے اور اُن کے دِلوں پر ہیبت اسلامی طاری کرنے کے لیے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی شخصیت کو اُبھار کر پیش کیا اس تدبیر کا نتیجہ یہ نکلا کہ کفار 'امیر المومنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ' کا نام سنتے ہی کانپ جاتے تھے۔

چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ شہادت ذی النورین رضی اللہ عنہ کے بعد فتوحات اسلامیہ کا جو سلسلہ بند ہوگیا تھا نہ صرف یہ کہ وہ کھل گیا بلکہ اسلام کی جڑیں اتنی تیزی سے ہر چہار طرف بڑھنے لگیں کہ کفار اپنے وجود کو ہر وقت غیر یقینی تصور کرنے لگے اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی نے وفا کی ہوتی تو عجب نہ ہوتا کہ اسلام پورے ایشیاء کا واحد مذہب ہوتا۔

سرکارِ بغداد پیرانِ پیر رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ حضرت اقدس کبھی فاخرانہ لباس میں جلوہ گر ہوتے تو کبھی لباسِ فقیرانہ میں۔ ہوسکتا ہے کہ اُن کے پیشِ نظر سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی رہی ہو۔ کیونکہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اگر ایک طرف لباس فاخرانہ زیب تن فرمایا تو دوسری طرف لباس فقیرانہ سے بھی ملبوس ہوئے۔

---

[1] البدایہ والنہایہ لابن کثیر ج ۸ ص ۱۳۴۔

امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب 'کتاب الزہد' میں قوی سند سے علی ابن ابی حملہ کا بیان نقل کیا ہے کہ وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں:

رأیت معاویه علی المنبر بدمشق یخطب الناس وعلیه ثوب مرقوع.

میں نے معاویہ کو دمشق میں منبر پر خطبہ دیتے ہوئے دیکھا آپ پیوند لگے کپڑے پہنے ہوئے تھے اس کا گریبان پھٹا ہوا تھا اور اسی حالت میں آپ بازار دمشق میں گشت کر رہے تھے۔

یونس بن میسر الحمیر ی الزاہد جو کہ امام اوزاعی کے اساتذہ میں سے ہیں فرماتے ہیں:

رأیت معاویه فی سوق دمشق وهو مردف وراه وضیعا وعلیه قمیص مرقوع الجیب یسیر فی اسواق دمشق[1]

میں نے معاویہ کو دمشق کے بازار میں سوار دیکھا آپ کے پیچھے آپ کا ایک غلام تھا اور آپ ایک ایسی قمیص پہنے ہوئے تھے جس کا گریبان دریدہ یعنی پھٹا ہوا تھا اور اس حالت میں آپ بازاد دمشق میں گشت کر رہے تھے۔

حالانکہ آپ دمشق کے پرجلال گورنر تھے۔ بہر حال مذکورہ بالا معتبر ترین روایات سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ طبعًا سادہ مزاج اور بے تکلف اور منکسر الطبیعت تھے اب اگر وہ کبھی لباس فاخرانہ زیب تن فرماتے ہیں تو اس کا سبب یا تو وقت کا تقاضا یا اس کی سیاسی ضرورت ہے۔ جس سے اسلام اور اہل اسلام کو فروغ حاصل ہو یا اس کے پس پردہ '**الناس باللباس**' کا حکیمانہ مفہوم۔

عہد فاروقی میں سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مقبولیت عامہ کے ساتھ ساتھ اگر آپ یہ جاننا چاہیں کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نگاہِ فاروقی میں کس مقام کے حامل تھے تو اس

[1] العواصم من القواصم ص ۲۰۹

بات کا اندازہ آپ مصری مورخ محمد حسین ہیکل کی کتاب الفاروق [1] کی بس ایک ہی روایت سے بخوبی لگا سکتے ہیں۔ مصری مورخ رقم طراز ہے۔

'جب سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت شرجیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے اُن کا علاقہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماتحت کر دیا۔ لوگوں نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے وجہ معزولی پوچھی۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

'میں نے کسی ناراضگی کی وجہ سے انھیں معزول نہیں کیا ہے بلکہ اس لیے معزول کیا ہے کہ یہاں ایک مضبوط سیاسی گورنر کی ضرورت ہے'۔ [2]

ایک مضبوط سیاسی گورنر کی ضرورت پڑنے پر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو منتخب کرنا اس بات کی بیّن دلیل ہے کہ ایک قائد اور امیر میں جو اخلاقی قدریں اور مذہبی صلاحیتیں ہونی چاہئیں وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ میں بدرجۂ اتم موجود تھیں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ عہد عثمانی میں:

قلم میں اتنی طاقت ہی نہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد عثمانی میں ہونے والے کارناموں کو وہ ضبطِ تحریر میں لا سکے۔ وہ معاویہ رضی اللہ عنہ جو فضل وکمال کا بحر ناپید کنار ہو۔ جس کی وسعتوں کو دیکھ کر بحرِ عرب خود کو جھیل تصور کرنے لگے پھر ایسی بے مثال شخصیت والے کے کارناموں پر قلم کی حد بندی کیونکر درست ہوسکتی ہے نمونتاً اور اختصاراً ہم صرف ایک کارنامے کا ذکر کرتے ہیں۔

[1] - [2] الفاروق مؤلفہ محمد حسین ہیکل ج ا ص ۲۹۸۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نگاہِ رسالت میں :--

تعلیم کتاب کی دُعا حضور آیہ رحمت ﷺ نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دو ایک صحابہ کے لیے فرمائی ہے۔ یہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خوش نصیبی ہے کہ وہ بھی انھیں حضرات میں سے ایک ہیں۔ چنانچہ امام ابن کثیر اپنی تاریخی کتاب البدایہ و النہایہ میں سرکار دو عالم ﷺ کے یہ دُعائیہ الفاظ نقل کرتے ہیں۔ جو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں کہے گئے ہیں۔

اللّٰھم علمه الکتاب والحساب وقه العذاب [1]
اے اللہ ! معاویہ کو کتاب اور حساب سکھادے اور عذاب سے محفوظ فرما۔

ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں:

اللّٰھم علمه الکتاب ومکن فی البلاد وقه فی العذاب [2]
اے اللہ ! معاویہ کو کتاب کا علم سکھادے اور اُن کو شہروں مُیں حکومت عطا فرما اور عذاب سے محفوظ رکھ۔

امام بخاری اپنی تاریخ کبیر میں یہ الفاظ نقل فرماتے ہیں:

اللّٰھم علم معاویه الحساب وقه العذاب [3]
اے اللہ! معاویہ کو علم حساب عطا فرما اور عذاب سے محفوظ فرما۔

امام ابن کثیر نے طبرانی کے حوالے سے اپنی تاریخ میں نقل فرمایا ہے کہ عبداللہ ابن بسر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا:

فانه قوی امین ۔ [4]
معاویہ قوی اور امین ہیں۔

---

۱ البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۲۱، ۲ التاریخ الکبیر ج ۴ ص ۳۲۸، ۳ البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۲۱، ۴ البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۲۲

ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ' سرکار دو عالم ﷺ کو وضو کرا رہے تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں کہ وضو فرماتے ہوئے مصطفٰی جان رحمت نے میری طرف نگاہ اُٹھائی اور فرمایا:

یا معاویه ان ولیت امر فاتق اللہ وعدل [1]
اے معاویہ اگر تمہیں حکومت ملے تو اللہ سے ڈرنا اور عدل سے کام لینا۔

امام ابن اثیر یہ الفاظ نقل کرتے ہیں:

ان ولیت فاحسن [2]
اگر تم والی بنو تو حسن سلوک سے کام لینا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت اسلامیہ کی پیش گوئی کے ساتھ ساتھ آپ کی بے پناہ طاقت وقوت، عزم واستقامت کے متعلق سرکارِ رسالت ﷺ کا ارشاد مبارک جس پر تاریخی حقائق بھی شاہد عدل ہیں کہ

ان معاویه لا یصارع احدا الا صرعه معاویه [3]
لڑ بھڑ کر معاویہ پر غلبہ حاصل نہیں کیا جاسکتا۔

آخرت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر انعامات الٰہی اور فیوض ربانی کا ذکر سرکار اَبد قرار ﷺ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

بعث معاویه یوم القیامة وعلیه رداء نور الایمان [4]
اللہ تعالیٰ بروز قیامت معاویہ کو اس حالت میں اُٹھائے گا کہ اُن پر نورِ ایمان کی چادر ہوگی۔

---

۱ البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۳۲، ۲ اسد الغابہ ج ۴ ص ۳۸۷، ۳ ، ۴ کنز العمال ج ۷ ص ۱۹۰،

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وسعت قلبی اور حلم و بردباری کا تذکرہ لسانِ نبویہ نے ان الفاظ میں کیا ہے:

احلم اُمتی معاویہ [1]
معاویہ میری امت میں سب سے بڑا حلیم ہے

ایک موقعہ پر فرمایا:

اللّٰھم اجعلہ ھادیا ومھدیا واھدبہ [2]
اے اللہ معاویہ کو ہادی اور مہدی اور لوگوں کے لیے ذریعہ ہدایت بنا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نگاہِ ہم عصر میں:-

حضرت قتادہ فرماتے ہیں:

لو اصبحتھم فی مثل عمل معاویہ تعال اکثرکم ھذا مھدی۔
اگر تم معاویہ کے سے حالات و معاملات میں ہوتے تو پکار اٹھتے کہ یہ 'مہدی' ہے۔

اسی بات کو سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خاص عقیدت مند ابو اسحاق السبیعی نے ان الفاظ میں فرمایا ہے:

لو ادرکتموا ادرکتم ایامہ تعلتم کان المھدی۔ [3]
اگر تم معاویہ کو پالیتے تو کہہ اٹھتے کہ یہی مہدی ہیں۔

علامہ ابن جریر طبری نے قبصہ ابن جابر اسدی سے ایک روایت نقل کی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ میں عمر رضی اللہ عنہ کی صحبت میں رہا' اُن سے زیادہ میں نے کسی فقیہ اور دینی ممارست والا نہیں دیکھا پھر میں حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کی صحبت میں رہا' اُن سے زیادہ میں نے کسی کو بغیر سوال کے دینے والا نہیں دیکھا۔

---

[1] تطہیر الجنان برحاشیہ صواعق محرقہ ص ۵۵ [2] جامع ترمذی [3] البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۴۵

ثم صحبت معاویہ فما رأیت رجلا احب رفیقا ولا اشبہ سریرۃ بعلانیۃ منہ [1]
پھر میں حضرت معاویہ کی صحبت میں رہا' اُن سے زیادہ میں نے کسی کو دوستوں کو محبوب رکھنے والا نیز ظاہر و باطن میں یکساں کسی کو نہیں دیکھا۔

ظاہر و باطن کی یکسانیت اور تمکنت و مسکنت کا یہ حسین امتزاج ہی دراصل ایک آدمی کے کیرکٹر کا نقطہ عروج ہے اسی وجہ سے حضرت سلیمان بن مہران الاعمش جو کہ ائمہ حدیث میں ہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے صدق کی وجہ سے 'المصحف' کے نام سے پکارتے تھے [2]

حضرت مجاہد کے یہ الفاظ منقول ہیں:

لو ادرکتم معاویہ تعلتم ھذی المھدی [3]
اگر تم معاویہ کو پالیتے تو بول اُٹھتے کہ یہی مہدی ہیں

امیر المومنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تالیف قلب، عدل و انصاف اور حقوق کی ادائیگی میں خاص اہتمام فرماتے تھے اسی وجہ سے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جو کہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ امیر المومنین کے بارے میں فرماتے ہیں:

مارأیت احدا بعد عثمان اقضی من ھذا الباب یعنی معاویہ [4]
میں نے عثمان کے بعد اس دروازے والے یعنی معاویہ کو بہتر فیصلہ کرنے والا پایا۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

مارأیت احدا اشبہ صلوٰۃ بصلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من امامکم ھذا یعنی معاویہ۔ [5]
میں نے تمہارے امام یعنی معاویہ کی نماز کو رسول اللہ ﷺ کی نماز سے غیر معمولی مشابہ پایا۔

---

[1] تاریخ طبری ج ۶ ص ۱۸۸ [2] العواصم من القواصم ۲۰۵ تعلیقہ [3] العواصم من القواصم ۲۱۰ تعلیقہ [4] البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۳۳
[5] منہاج السنہ ج ۳ ص ۱۸۵

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جب کسی نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فقہی اعتراض کیا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جو جواب دیا وہ صحیح بخاری میں یوں ہے:

اصاب فانه فقيه. [1] ٹھیک ہے بیشک وہ فقیہ ہیں۔

گورنر حمص حضرت عمیر رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے تحت اُن کے علاقے کو کر دیا تو لوگوں نے حضرت عمیر رضی اللہ عنہ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق بعض اس قسم کی شکایتیں کیں کہ وہ ابھی نوجوان اور ناتجربہ کار ہیں تو حضرت عمیر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

لا تذكروا معاويه الا بخير فانی سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول اللهم اهديه. [2]

معاویہ کی اگر بات کرنی ہے تو بھلائی سے کرو کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اے اللہ معاویہ کو ذریعہ ہدایت بنا۔

اسی طرح ایک اور روایت امام ابن کثیر نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے بھی نقل کی ہے کہ جب لوگوں نے کہا کہ عمیر (رضی اللہ عنہ) تجربہ کار اور کہنہ مشق گورنر ہیں اُن کی جگہ پر معاویہ (رضی اللہ عنہ) مناسب نہیں اس لیے کہ ابھی یہ نوجوان ہیں تو سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جواباً فرمایا کہ معاویہ (رضی اللہ عنہ) کا ذکر جسے بھی کرنا ہو وہ بھلائی سے کرے کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو خود فرماتے ہوئے سنا ہے کہ 'اے اللہ معاویہ کو ذریعہ ہدایت بنا'۔ ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ اے اللہ معاویہ کو ہدایت دے اور ہدایت کا ذریعہ بھی بنا۔ [3]

---

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۳۱ [2] جامع ترمذی ص ۷۴۷ والتاریخ الکبیر للبخاری ج ۴ ص ۳۲۸ [3] البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۲۲

قارئین کو مذکورہ بالا بیس (۲۰) شہادتوں سے یہ اندازہ ہوگیا ہوگا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ' سید کائنات ﷺ اور اکابر صحابہ کے نزدیک ہادی و مہدی، لائق و فائق، فقیہ و مجتہد، ظاہر و باطن میں یکساں، شفیق و رحم دل اور حلیم بردبار تھے نیز آپ کی نماز نبی کریم ﷺ کی نماز سے غیر معمولی مشابہ تھی۔

کتابت وحی:-

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذہنی، فکری اور عملی خوبیوں کی بناء پر سرکار دو عالم ﷺ کو آپ پر بے پناہ اعتماد تھا۔ چنانچہ بارگاہِ رسالت سے کتابتِ وحی کا منصب جلیلہ عطا ہوا۔ شیخ الاسلام حافظ ابن حجر علیہ الرحمۃ تقریب التہذیب میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا تعارف کراتے ہوئے 'کتابت وحی' کا اعتراف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

معاويه بن ابى سفيان خليفة صحابى اسلم قبل الفتح وكتب الوحى. [1]

حضرت معاویہ بن ابی سفیان خلیفہ اور صحابی ہیں فتح مکہ سے قبل اسلام لائے اور کاتب وحی تھے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو' کاتب رسول' خود شیعی مورخ ابن ابی الحدید نے بھی لکھا ہے:

كان احد كتاب رسول الله ﷺ [2]

حضرت امیر معاویہ رسول اللہ ﷺ کے کاتبوں میں سے تھے۔

بہر حال وحی الٰہی کی کتابت کے لیے کسی ایسے ہی مخلص ترین شخص کو منتخب کیا جاسکتا ہے جس کی عظمتِ ایمانی اور طہارت قلبی ناقابل انکار ہو۔ اسی لیے شاتمان معاویہ نے اپنے فاسد جذبے کی تسکین کے لیے اس بات کو کافی اچھالا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو

---

[1] تقریب التہذیب ص ۳۵۷ [2] ابن ابی الحدید ج ۱ ص ۳۳۸

صرف خط و کتابت کے لیے مقرر فرمایا تھا۔ گویا اُن لوگوں کے نزدیک 'نبی کی نبوت' اور نبی کی امامت میں کوئی ایسا فرق ہے کہ اس کے لیے معاذ اللہ امانت و ایمان ضروری نہ ہو۔ حالانکہ جملہ نامہ ہائے مبارک جو قیصر و کسریٰ کو روانہ کئے گئے وہ سب وحی الٰہی کے تحت ہے چنانچہ ارشاد ربانی ہے :

﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾ (النجم/۳)

اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے وہ تو صرف وحی ہے جو انہیں کی جاتی ہے۔

یہ مقام غور و فکر ہے کہ جب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو 'عالم حساب و کتاب، ہادی و مہدی، قوی و امین، حاکم حکومت اسلامیہ اور محفوظ عن العذاب کے روپ میں دیکھنے کے لیے بارگاہِ ایزدی میں دُعا کرتے ہیں۔ جو قطعاً مستجاب ہوئیں۔ پھر ایسی صورت میں اگر کوئی شخص حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے کارناموں اور اُن کی بے پناہ مقبول شخصیت میں نقص نکالنے کی کوشش کرتا ہے۔ تاریخ کے بعض لغو، مہمل، ساقط الاعتبار اور موضوع روایات کا سہارا لے کر اُن کی طرف ناشائستہ اعمال و افعال منسوب کرتا ہے جو ہدایت و حکمت سے خالی ہوں تو معترض اور مفتری کو خود اپنے لیے ہدایت تلاش کرنی چاہیے۔

اللہ اللہ! آج بعض لوگ اس ذات بابرکات سے متنفر نظر آتے ہیں جو نگاہِ رسالت میں ہدایت یافتہ تھی، قوی و امین تھی، حلیم و بردبار تھی۔ ایک اُمتی کے لیے سب سے بڑا سرمایہ حیات یہی ہے کہ اُس کا 'رسول' اس دُنیا میں اُس کے لیے دین کی سمجھ اور آخرت میں 'عذاب سے محفوظیت' کی دُعا فرمائے۔ امیر المومنین حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقدیر پر آج اہل بصیرت جتنا بھی رشک کریں کم ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ' عہد صدیقی میں :-

عہد صدیقی میں حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے ساتھ جانے والے لشکر مجاہدین میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ایک سرگرم مجاہد کے روپ میں شامل تھے اور اس لشکر کے ہراول دستے کی علم برداری بھی انھیں کے ذمہ تھی [1] اس کے علاوہ دوسرے موقعوں پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے خود قیادت کے فرائض انجام دیئے۔ [2]

دورِ صدیقی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے ایک تربیتی دور (Training period) تھا۔ نبی اور صدیق کی نورانی قیادت سے انھوں نے جو اخذِ فیض کیا تھا اور قریش کی وہ امتیازی شان جو اُن میں موجود تھی اس کے جوہر دکھلانے کا موقع ان کو دراصل عہد فاروقی و عثمانی میں میسر آیا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ' عہد فاروقی میں :-

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو کون نہیں جانتا رسالت کی زبانِ حق ترجمان نے ان کو "سیف من سیف اللہ" (اللہ کی تلواروں میں ایک تلوار) فرمایا تھا۔ تقریباً سوا سو لڑائیوں میں کفار و مشرکین سے جہاد کیا۔ غزوہ موتہ، سریۂ نجران، سریۂ عزیٰ، مذار، کسکر، عین التمر، حصید، فنافس، شام، عراق، یرموک، حمص اور بیت المقدس کی فتوحات ہی نہیں بلکہ مرتدین کی سرکوبی اور مدعیان نبوت کا استیصال آپ ہی کے مقدس ہاتھوں سے ہوا۔

ان الفتوح اهل الودة كلها كانت الخالد بن الوليد [3]

مرتدین کی سرکوبی تمام تر خالد بن ولید کے ذریعہ ہوئی۔

اور اللہ کی اسی تلوار کو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے صرف اس لیے معزول کردیا کہ انھوں نے ایک قصیدہ گو کو بطور انعام کچھ روپیہ دے دیا تھا۔

---

[1] محاضرات خضری ج ۲ص ۱۷۱ [2] فتوح البلدان بلاذری ص ۱۲۳ [3] طبری ج ۳ واقعات ۱۱ھ

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے نہ صرف یہ کہ تاجدار کائنات ﷺ کے ماموں اور اسلام قبول کرنے والوں میں چھٹے یا ساتویں ہیں۔ بلکہ غزوۂ بدر، غزوۂ احد، فتح مکہ، غزوۂ طائف، غزوۂ حنین، غزوۂ تبوک اور دیگر غزوات کے مجاہد جانباز تھے، عشرۂ مبشرہ کے ایک فرد، فاتح ایران اور بانی کوفہ تھے، ایسے صاحب فضل وکمال کے مکان کی ڈیوڑھی کو امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس لیے جلوا دیتے ہیں کیونکہ انھیں اطلاع ملی تھی کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ایک عالی شان مکان تعمیر کرایا ہے۔ جس میں ایک ڈیوڑھی ہے۔ جس کی وجہ سے اندیشہ ہے کہ لوگوں کو گورنر تک پہنچنے میں رکاوٹ ہو۔ [۱]

حضرت عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر اور عظیم المرتبت صحابی اور مصر کے گورنر تھے، امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں بالوں کا کرتہ پہنا کر جنگل میں بکریاں چرانے کا حکم صرف اس لیے دیا تھا کہ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی رپورٹ کے مطابق وہ باریک کپڑا پہنتے تھے اور اُن کے دروازے پر دربان مقرر تھا۔ [۲]

حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ نہایت بلند پایہ صحابی اور بہترین ماہر قرآن تھے [۳] حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُن کو ایک کوڑا اس لیے مارا کہ ایک مرتبہ جب محفل سے اُٹھے تو کچھ لوگ تعظیماً اُن کے ساتھ ہو لئے۔

حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ نے جب وجہ تنبیہ پوچھی تو امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اما تری فتنة للمتبوع ومذلة للتابع تمہیں معلوم نہیں کہ یہ بات متبوع کے لیے فتنہ اور تابع کے لیے سبب ذلت ہے۔

---

۱ ۲ ۳ کنز العمال ج ۶ ص ۳۵۵۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا والیانِ مملکت اور اکابر صحابہ کے ساتھ اس قدر سخت احتساب اور اُن حضرات کے اخلاق واطوار کی نگرانی اس لیے تھی کہ اگر اُن میں اخلاق و تدین کی ذرہ برابر کمی رہی تو رعایا میں فقدان ملے گا۔

امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ جن کے بارے میں آپ نے ملاحظہ فرمالیا کہ معمولی بات پر سپہ سالاروں اور گورنروں کو معطل کر دیا کرتے تھے اسی لیے عہد فاروقی میں برابر تغیر وتبدل ہوتا رہتا تھا۔ مگر یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بے پناہ صلاحیت اور غیر معمولی مقبولیت کا یہ نتیجہ وثمرہ تھا کہ ولایت شام کے نورانی اور اسلامی مسند پر برسوں رونق افروز رہے، لیکن فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی نگاہِ عزل اور اُن کی طرف کبھی نہیں اٹھی بلکہ، خلیفہ راشد کا اعتماد آپ پر روز افزوں بڑھتا ہی جاتا تھا۔ معزول کرنا، یا کسی قسم کی تبدیلی کو بروئے کار لانا تو بڑی بات ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اختیارات دن بدن وسیع سے وسیع تر ہوتے چلے گئے۔

اس لیے یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بے پناہ صلاحیتوں کے مالک تھے، کامل اعتماد کے قابل تھے امورِ جہاں بانی میں طرۂ امتیاز حاصل تھا۔ اخلاق و تدوین اور اسلامی تہذیب وتمدن سے بھرپور تھے۔ محبوب ہر خاص و عام تھے۔ قریش کی امتیازی صلاحیتیں اُن میں کوٹ کوٹ کر بھری تھیں۔ ایسی صورت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے کردار میں کمزوری پیدا کرنا، یا اُن کا نام سنتے ہیں ناک بھوں چڑھانا یا بعض غالیوں کی طرح 'تلاوتِ تبرا' میں مشغول ہوجانا اگر ایک طرف سخت محرومی کی بات ہے تو دوسری طرف سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی صلاحیت انتخاب کے لیے کھلا چیلنج ہے۔

بیت المقدس کی حاضری پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا استقبال حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بڑی شان و شوکت سے کیا تو سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اعتراض کیا کہ سادہ روی کیوں چھوڑ دی؟'

اس سوال کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ حکیمانہ جواب دیا:

انا بارض جراسیس العدو فیها کثیره فیجب ان تظهر من عز السلطان ما کیون فیها عز الاسلام واهله ونرهبهم به.

ہم ایک ایسی زمین میں ہیں جہاں ہمہ وقت دشمن کے جاسوس کثیر تعداد میں رہتے ہیں لہٰذا اُن کو مرعوب کرنے کے لیے ظاہری شان و شوکت ضروری ہے اس میں اسلام اور مسلمان کی عزت ہے۔

یہ سن کر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا 'امیر المومنین' دیکھئے معاویہ (رضی اللہ عنہ) کتنی خوب صورتی سے اپنے آپ کو الزام سے بچا گئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا

'جب ہی تو یہ بارگراں ہم نے اُن پر ڈالا ہے'۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس جواب پر تبصرہ کرتے ہوئے علامہ ابن خلدون اپنے 'مقدمہ' میں فرماتے ہیں:

چونکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے فعل کی بنا حق و دین کے مقاصد پر رکھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُن کے کلام کی تردید نہیں فرمائی۔ اب یہاں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ سلطنت اگر سرے سے ہی قابل ترک و اجتناب ہوتی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ'

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس جواب کو تسلیم نہیں کرتے جو انھوں نے شان و شوکت کی توجیہہ میں پیش کیا۔ بلکہ اس کو ترک ہی کا حکم دیتے۔ ادھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو یہ فرمایا کہ 'معاویہ یہ کیا دکھاوا ہے'۔ اس سے اشارہ اہل فارس کی ان باطل پرستی و خواہش رانی نہیں ہے۔ بلکہ میرے سامنے دینی مقصد ہے اور اسی پر عمل کی بنا ہے۔ یہ جواب سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ خاموش ہوئے'۔[1]

کفار و مشرکین کو مرعوب کرنے کے لیے اور اُن کے دِلوں پر ہیبت اسلامی طاری کرنے کے لیے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی شخصیت کو اُبھار کر پیش کیا اس تدبیر کا نتیجہ یہ نکلا کہ کفار 'امیر المومنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ' کا نام سنتے ہی کانپ جاتے تھے۔

چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ شہادت ذی النورین رضی اللہ عنہ کے بعد فتوحات اسلامیہ کا جو سلسلہ بند ہوگیا تھا نہ صرف یہ کہ وہ کھل گیا بلکہ اسلام کی جڑیں اتنی تیزی سے ہر چہار طرف بڑھنے لگیں کہ کفار اپنے وجود کو ہر وقت غیر یقینی تصور کرنے لگے اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی نے وفا کی ہوتی تو عجب نہ ہوتا کہ اسلام پورے ایشیاء کا واحد مذہب ہوتا۔

سرکارِ بغداد پیرانِ پیر رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ حضرت اقدس کبھی فاخرانہ لباس میں جلوہ گر ہوتے تو کبھی لباسِ فقیرانہ میں۔ ہوسکتا ہے کہ اُن کے پیشِ نظر سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی رہی ہو۔ کیونکہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اگر ایک طرف لباس فاخرانہ زیب تن فرمایا تو دوسری طرف لباس فقیرانہ سے بھی ملبوس ہوئے۔

---

[1] البدایہ والنہایہ لابن کثیر ج ۸ ص ۱۳۴۔

امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب 'کتاب الزہد' میں قوی سند سے علی ابن ابی حملہ کا بیان نقل کیا ہے کہ وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں:

رأيت معاويه على المنبر بدمشق يخطب الناس وعليه ثوب مرقوع.

میں نے معاویہ کو دمشق میں منبر پر خطبہ دیتے ہوئے دیکھا آپ پیوند لگے کپڑے پہنے ہوئے تھے اس کا گریبان پھٹا ہوا تھا اور اسی حالت میں آپ بازار دمشق میں گشت کر رہے تھے۔

یونس بن میسر الحمیری الزاہد جو کہ امام اوزاعی کے اساتذہ میں سے ہیں فرماتے ہیں:

رأيت معاويه فى سوق دمشق وهو مردف وراه وضيعا وعليه قميص مرقوع الجيب يسير فى اسواق دمشق[1]

میں نے معاویہ کو دمشق کے بازار میں سوار دیکھا آپ کے پیچھے آپ کا ایک غلام تھا اور آپ ایک ایسی قمیص پہنے ہوئے تھے جس کا گریبان دریدہ یعنی پھٹا ہوا تھا اور اس حالت میں آپ بازاد دمشق میں گشت کر رہے تھے۔

حالانکہ آپ دمشق کے پرجلال گورنر تھے۔ بہر حال مذکورہ بالا معتبر ترین روایات سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ طبعاً سادہ مزاج اور بے تکلف اور منکسر الطبیعت تھے اب اگر وہ کبھی لباس فاخرانہ زیب تن فرماتے ہیں تو اس کا سبب یا تو وقت کا تقاضا یا اس کی سیاسی ضرورت ہے۔ جس سے اسلام اور اہل اسلام کو فروغ حاصل ہو یا اس کے پس پردہ '**الناس باللباس**' کا حکیمانہ مفہوم۔

عہد فاروقی میں سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مقبولیت عامہ کے ساتھ ساتھ اگر آپ یہ جاننا چاہیں کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نگاہ فاروقی میں کس مقام کے حامل تھے تو اس

[1] العواصم من القواصم ص ۲۰۹

بات کا اندازہ آپ مصری مورخ محمد حسین ہیکل کی کتاب الفاروق [1] کی بس ایک ہی روایت سے بخوبی لگا سکتے ہیں۔ مصری مورخ رقم طراز ہے۔

'جب سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت شرجیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے اُن کا علاقہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماتحت کر دیا۔ لوگوں نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے وجہ معزولی پوچھی۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

'میں نے کسی ناراضگی کی وجہ سے انھیں معزول نہیں کیا ہے بلکہ اس لیے معزول کیا ہے کہ یہاں ایک مضبوط سیاسی گورنر کی ضرورت ہے'۔ [2]

ایک مضبوط سیاسی گورنر کی ضرورت پڑنے پر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو منتخب کرنا اس بات کی بیّن دلیل ہے کہ ایک قائد اور امیر میں جو اخلاقی قدریں اور مذہبی صلاحیتیں ہونی چاہئیں وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ میں بدرجۂ اتم موجود تھیں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ عہد عثمانی میں:

قلم میں اتنی طاقت ہی نہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد عثمانی میں ہونے والے کارناموں کو وہ ضبطِ تحریر میں لا سکے۔ وہ معاویہ رضی اللہ عنہ جو فضل وکمال کا بحر ناپید کنار ہو۔ جس کی وسعتوں کو دیکھ کر بحرِ عرب خود کو جھیل تصور کرنے لگے پھر ایسی بے مثال شخصیت والے کے کارناموں پر قلم کی حد بندی کیونکر درست ہو سکتی ہے نموناً اور اختصاراً ہم صرف ایک کارنامے کا ذکر کرتے ہیں۔

[1] - [2] الفاروق مؤلفہ محمد حسین ہیکل ج ۱ ص ۲۹۸۔

بحری بیڑہ:-

قبرص جس کو سائپرس (Cyprus) بھی کہتے ہیں شام سے متصل بحیرۂ روم میں ایک غیر معمولی دلکش اور اہم جزیرہ ہے۔ اس جزیرے کی اہمیت سیاسی طور پر اس لیے بڑھی ہوئی تھی کہ شام اور مصر جیسے مفتوح علاقوں کی حفاظت اور رومیوں کے خطروں کا انسداد اس وقت تک ممکن ہی نہیں تھا جب تک یہ بحری ناکہ مسلمانوں کے زیرنگیں نہ ہوجائے۔

جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بحری بیڑہ بنانے کی اجازت امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے طلب کی تو امیر المومنین نے اپنی گوناگوں مصروفیات، توسیع مملکت میں مجاہدین کے انہماک اور اس نئے تجربے سے متعلق نت نئے خدشات کے پیش نظر انکار کردیا لیکن وہ اصرار ہی کیا جو انکار کو اقرار میں نہ بدل دے۔ چنانچہ عہد عثمانی میں یہی ہوا اور امیر المومنین حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ نے اجازت دے دی۔ دربارِ خلافت سے اجازت ملتے ہی حضرت امیر شام رضی اللہ عنہٗ نے پانچ سو جہازوں پر مشتمل ایک بحری بیڑہ بنایا۔ کچھ دنوں بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک معرکتہ الآراء بحری لڑائی لڑنی پڑی۔

۳۱ھ میں قیصر روم سواحل شام پر حملہ کرنے کے لیے ایک عظیم الشان بحری بیڑہ بھیجا۔ اس بیڑے کی باگ ڈور خود قیصر روم کے ہاتھ میں تھی۔ اس بات کی اطلاع پاتے ہی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا جذبۂ اشداء علی الکفار عملی روپ دھارن کرنے کے لیے بیقرار ہونے لگا نتیجتاً حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بذات خود مقابلہ کے لئے روانہ ہوئے۔ لشکرِ معاویہ کا خیال تھا کہ دونوں فوجیں ساحل پر اُتر کرلڑیں۔ لیکن قیصر نے اس تجویز کو ٹھکرادیا۔ پھر کیا تھا سطح سمندر پر ایک خوں ریز جنگ شروع ہوگئی اور جنگ زور پکڑتی

چلی گئی۔ یہاں تک کہ کشتوں کا خون ساحل تک بہتا ہوا دکھائی دیا۔ خون کی سرخی پانی پر غالب آگئی۔ لاتعداد مارے گئے۔ کثیر تعداد میں مجاہدین نے بھی جام شہادت نوش فرمایا لیکن ان کے استقلال نے رومیوں کو فرار پر مجبور کردیا۔ بالآخر فتح مسلمانوں کو نصیب ہوئی۔ اس فاتحانہ اقدام کا یہ اثر ہوا کہ قیصر روم کو پھر کبھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرنے کی جرأت اور اپنے بحری بیڑے پر بھروسہ کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔

اسی بحری لڑائی کے بارے میں سرور عالم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

اول جیش من امتی یغزون البحر قداوجبوا [1] میری امت کا پہلا لشکر جو بحری جہاد کرے گا ان سب نے اپنے اوپر جنت کو واجب کرلیا ہے۔

قد اوجبوا کی تشریح صاحب فتح الباری نے ان الفاظ میں کی ہے۔

قد اوجبوا۔ ای فعلوا فعلا وجبت لهم به الجنة۔ [2] قد اوجبوا۔ یعنی ان لوگوں نے اپنے لیے جنت کو واجب کرلیا۔

اور سب سے پہلا بحری لشکر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں تھا۔ علامہ ابن اثیر فرماتے ہیں

وکان امیر ذلك الجیش معاویه بن ابی سفیان فی خلافة عثمان۔ [3] خلافت عثمانی میں ہی اس اول بحری لشکر کے قائد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تھے۔

اس جنگ کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ساحل بحر روم پر اور انطاکیہ سے لے کر طرطوس تک فوجی آبادیاں قائم کیں۔ جس سے اسلامی قوت دفاع کو غیر معمولی فائدہ پہنچا۔ بہرحال بحری بیڑے سے اسلام اور خلافت اسلامیہ کو جو تقویت حاصل ہوئی وہ اپنی جگہ پر ہے۔ لیکن اس بحری بیڑے کے موجد اور لشکر اول کے قائد و امیر ہونے کے سبب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جنتی قرار پائے

---

۱ بخاری کا حاشیہ ج ۱ ص ۴۱۰، ۲ فتح الباری ۳ اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۷۵۔

کیونکہ رسالت کی زبانِ حق ترجمان نے اسی بحری بیڑے میں شرکت کرنے والوں پر جنت واجب فرمایا پھر کون ہے جو لشکر کے قائد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو جنتی نہ تسلیم کرے، سوائے اُس کے جس کی تقدیر میں خود ہی جنت نہ ہو۔

امیر المومنین حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے اس مختصر تعارف کے بعد اب ہم جنگ صفین کے احوال کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

جنگ صفین :- جنگ جمل میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی شرکت کے متعلق ابوایوب سختیانی نے ابن سیرین سے روایت کی ہے:

هاجت الفتنة واصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم عشرة الاٰف فما خف نهامتهم مأته بل لم يبلغوا ثلاثين فهذا يقوله محمد بن سيرين مع ورع الباهر فى منطقة [1]

جب فتنہ برپا ہوا دُنیا میں دس ہزار اصحاب رسول ﷺ موجود تھے مگر ان میں سے سو (۱۰۰) بھی فتنہ میں شریک نہ ہوئے بلکہ شریک ہونے والے صحابہ کی تعداد تیس تک بھی نہ پہنچی تھی۔ یہ محمد بن سیرین کا بیان ہے جو بات کہنے میں مشہور محتاط ہیں۔

یہی حال جنگ صفین کا بھی ہے۔ صحابہ کرام کی اکثریت غیر جانبدار رہی اسی لیے جب امام شعبہ سے کہا گیا کہ بعض لوگ الحکم کے حوالے سے یہ کہتے ہیں کہ جنگ صفین میں ستر بدری صحابہ شریک ہوئے تو

قال شعبه كذب والله ذاكرنا الحكم ما وجدنا شهد صفين من اهل بدر غير خزيمة بن ثابت [2]

امام شعبہ نے فرمایا کہ یہ نرا جھوٹ ہے۔ خدا کی قسم ہم نے خود الحکم سے اس بارے میں گفتگو کی ہے تو اہل بدر میں خزیمہ بن ثابت کے سوا اور کسی کو نہیں پایا۔

---

۱ المنتقی ص ۳۸۹، ۲ المنتقی ۳۸۹۔

یہ نفی اس بات کو بتاتی ہے کہ فتنہ میں خواہ وہ بصورت جمل رہی ہو یا صفین صحابہ کرام بہت کم شریک ہوئے۔ صحابہ کی اکثریت غیر جانبدار، کنارہ کش اور فریقین سے الگ تھلگ رہی۔ مگر نکیر فریقین میں سے کسی کی نہیں کی۔

خود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جنگ سے حتی الامکان گریز کرتے رہے یہی وجہ تھی کہ جب اُن کو صفین کے موقع پر یہ اطلاع ملی کہ قیصر روم کا ارادہ عالم اسلام پر حملہ کرنے کا ہے۔ وہ ہماری اندرونی کشمکش سے فائدہ اُٹھانا چاہتا ہے اور اسی غرض سے وہ اپنی فوج منظم کر رہا ہے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے 'شدت علی الکفر' سے بھرپور ایک اسلامی پروانہ روانہ کیا۔ جس کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

والله لئن لم تنته وترجع بلادك يا لعين لاصطلحن انا وابن عمى ولا خرجنك من جميع بلادك ولا ضيقن عليك الارض بما رجيت [1]

قسم ہے اللہ کی اے لعین اگر تو فوراً نہ رکا اور اپنے علاقے کو واپس نہ ہوا تو اپنے چچا کے بیٹے (علی) سے میں صلح کرلوں گا اور تجھے تیرے ملک سے نکال دوں گا اور زمین کو اس کی فراخی کے باوجود تیرے لئے تنگ کرڈالوں گا۔

یہ خط پڑھ کر اس پر اتنا رُعب طاری ہوا کہ اُس نے فوجیں ہٹالیں۔ شاہِ روم مرعوب کیوں نہ ہوتا جب کہ اقلیم سیاست اسلامیہ کا تاجدار غضبناک ہوگیا تھا۔

اسی سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اسلامی جذبہ بے پایاں اور مذہبی حوصلہ ہائے بیکراں کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ 'قصاص' جس کو انھوں نے اپنا مقصد حیات بنالیا تھا

---

۱ البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۱۹۔

اُسے وہ ثانوی درجہ دینے پر راضی ہوگئے ۔محض کفر شکنی کے لیے ۔تو پھر اگر اسی 'کفر شکن' کی لڑائی خیبر شکن سے ہوجائے تو اسے بھائی بھائی کی جنگ نہ کہا جائے تو کیا کہا جائے ۔

دیکھیے تو سہی ایک طرف مخصوص بشارت جنت سے مبشر حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں تو دوسری طرف اسی بشارت جنت سے مبشر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں (جس کی تفصیل گذر چکی ہے) ایک طرف ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے داماد ہیں تو دوسری طرف ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے حقیقی بھائی ۔ ایک طرف باب العلم اور مجتہد ہیں تو دوسری طرف فقیہ و مجتہد ۔ ایک طرف منتخب امام ہے تو دوسری طرف منتخب ہونے والا امام، ایک طرف راشد و مرشد ہے تو دوسری طرف ہادی ومہدی' ایک طرف صابر و شاکر ہے تو دوسری طرف حلیم و بردبار ۔ ایک طرف چادر تطہیر ہے تو دوسری طرف چادرِ نور ۔ ایک طرف محفوظ عن الخطاء ہے تو دوسری طرف محفوظ عن العذاب ۔ ایک طرف حضور انور ﷺ کے حقیقی چچازاد بھائی ہیں تو دوسری طرف حضور انور ﷺ کے حقیقی برادر نسبتی .... آخر اس جنگ کو کون سی جنگ کہا جائے سوائے اس کے کہ یہ ایک 'اجتہادی جنگ' تھی ۔

قصاص کی اہمیت کے اسباب :-

صلح حدیبیہ کے موقع پر حضور نبی کریم ﷺ نے کفار سے گفتگو کرنے کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھیجا تو کفار نے آخر حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ کو اسیر کرلیا ۔

ادھر یہ افواہ پھیلی کے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے ۔ یہ خبر سنتے ہی حضور ﷺ بیقرار دلوں کے قرار کے لیے اُٹھے اور قصاص عثمان کے لیے سارے صحابہ کو لے کر درخت کے نیچے اکٹھا کر کے بیعت لی ۔ بیعت قصاص عجیب انداز میں لی جارہی ہے ۔

حضور اکرم ﷺ نے اپنے بائیں ہاتھ کے متعلق فرمایا کہ 'یہ عثمان کا ہاتھ ہے' پھر اسی ہاتھ کو دائیں ہاتھ پر رکھ کر فرمایا 'یہ عثمان کی بیعت ہے'۔

جن صحابہ کی نظروں نے قصاصِ عثمانی کی بیعت کا یہ عظیم الشان نظارہ دیکھا ہوگا یا جنھوں نے بعد میں بالتفصیل سنا ہوگا وہ یہ سوچنے پر کیوں نہ مجبور ہوئے ہوں گے کہ آخر قصاصِ عثمانی کے لیے اتنے سارے اہتمام کی کیا ضرورت تھی ۔ وہ بھی خبرِ غلط پر ۔

کیا دانائے غیوب ﷺ کو نہ معلوم تھا کہ یہ خبر غلط ہے اور بیعت قصاص فعلِ عبث ہے اگر انکارِ غیب دانی کے فاسد جذبے کی تسکین کے لیے کوئی یہ کہہ بیٹھتا ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خدائے عز و جل نے یہ کیوں فرمایا:

﴿لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ﴾ (الفتح/۱۸)

اللہ راضی ہوگیا ان مومنین سے جبکہ اے نبی وہ تمہارے ہاتھ پر درخت کے نیچے بیعت (قصاص) کررہے تھے ۔

مزید ارشاد فرماتا ہے:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ﴾ (الفتح/۱۰)

اے رسول جو تمہاری بیعت کررہے ہیں ۔ تو وہ اللہ سے بیعت کررہے ہیں ۔ دست قدرت اُن کے ہاتھوں پر ہے ۔

حالانکہ چاہئے تو تھا کہ حضرت جبریل امین علیہ السلام حاضر دربار ہوکر یہ مژدہ سناتے کہ 'یارسول اللہ ! آپ مطمئن رہیں اور مومنین مخلصین کو بھی اطمینان دلادیں ۔ بیعت قصاص کی ضرورت نہیں عثمان زندہ ہیں'۔

مگر معاملہ اس کے برعکس ہے ۔ جبریل امین علیہ السلام رب العزت کی طرف سے آتے ضرور ہیں لیکن خبرِ قتل کی تردید کے لیے نہیں بلکہ طالبانِ قصاص کو مژدہ سنانے کے

لیے کہ لو اس بیعت کی وجہ سے 'اللہ تم سب سے راضی ہو گیا' اور 'یہ بیعت تم اللہ سے بھی کر رہے ہو'۔ نیز تمہارے ہاتھوں پر دستِ قدرت ہے۔ خداوند قدوس کا خبرِ شہادت کی تردید نہ کرنا یا سلسلہ بیعت کو نہ روکنا بلکہ بیعتِ قصاص کے لیے تائید فرمانا اس بات کی بیّن دلیل قرار دی جا سکتی ہے کہ تمام اصحاب بیعت رضوان کی گردن میں 'قصاص عثمانی' کی بیعت کا قلادہ ہے اور اُن تمام حضرات کو قصاص لینا ہے جب بھی ضرورت پڑے۔

مذکورہ آیات قرآنیہ سے قصاص عثمانی کی اہمیت سمجھ لینے کے بعد اس سوال کا جواب از خود معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ صحابہ جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے رشتہ دار نہ تھے طالب قصاص کیوں ہوئے؟ صرف بیعتِ رضوان کی تکمیل کے لیے جس کا وعدہ وہ **ید النبی** ﷺ بلکہ **ید اللہ** پر کر چکے تھے اور غیر مبایعین صحابہ فقط اہمیتِ قصاص کی وجہ سے معین و مددگار رہے تاکہ اس کارِ عظیم میں تاخیر نہ ہونے پائے۔

مسئلہ قصاص کو ہر دور میں اہمیت حاصل رہی ہے۔ کسی نے بھی اس کو ثانوی درجہ نہ دیا۔ تاریخ شاہد ہے کہ جب امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو ۲۶ رذی الحجہ ۲۳ھ کو فیروز لولوء ایرانی مجوسی نے شہید کیا تو یہ کوئی امر اتفاقی نہ تھا بلکہ ایک منظم سازش کے تحت یہ سب کچھ ہوا تھا۔ جب قاتلانِ عمر الفاروق جمع تھے تو کچھ الفاظ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کے کانوں سے ٹکرائے۔ انھوں نے عبید اللہ ابن عمر کو ان باتوں سے آگاہ کیا۔ خبر میں اس امر کی وضاحت تھی کہ ہرمزان، قاتل عمر رضی اللہ عنہٗ ہے۔ عبید اللہ ابن عمر سنتے ہی غضب ناک ہو گئے اور ایک دن موقع پا کر اُسے قتل کر دیا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہٗ نے فوراً اُن کو اپنی گرفت میں لے لیا اور انھیں اس وقت تک نظر بند رکھا گیا جب تک خلافت کا معاملہ طے نہ ہو گیا۔ جیسے ہی حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ

کی خلافت منعقد ہوئی۔ ویسے ہی سب سے پہلے 'مسئلہ قصاص' کو پیش کیا گیا۔ امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے شرعی فیصلہ سنا دیا۔ اس قصاص سے سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بھی غیر معمولی دلچسپی لی تھی۔

ایک اور مسئلہ قصاص اس وقت سامنے آیا جب امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا۔ چنانچہ ۴۰ھ میں حضرت امام حسن رضی اللہ عنہٗ نے قاتلِ علی مرتضیٰ کو سب سے پہلے قصاصاً قتل کر دیا۔

ان نظیروں سے معلوم ہوا کہ مسئلہ قصاص کی اوّلیت اور اس کی شرعی اہمیت ہر دور میں مسلّم رہی۔ ناموسِ اسلام پر قربان ہونے والوں نے ہمیشہ قصاص کو دیگر مسائل پر مقدم رکھا تو پھر اس میں کون سی حیرت کی بات ہے کہ جلیل القدر صحابہ نے قصاص عثمانی کو ترجیح دی؟

امیر المومنین حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قتل صرف 'قتلِ مومن' نہ تھا بلکہ اس قتل نے قصرِ خلافت کی دیواریں ہلا دیں۔ وقارِ خلافت مٹ رہا تھا ہیبتِ اسلامی خطرے میں پڑ گئی تھی۔ کفار و مشرکین کی بزدلانہ زندگی میں تازگی اور نئی رُوح پیدا ہونے لگی تھی۔ مملکت اسلامیہ کا عظیم الشان امیر اپنی زندگی کی ضمانت نگاہِ کفار میں کھونے والا تھا۔ مدینۃ الرسول ﷺ فتنہ و فساد کی آماجگاہ ظالموں اور فاسقوں کا اڈہ بنتا جا رہا تھا۔ ہر نئے امیر خلیفہ و قائد کی زندگی معرضِ خطر میں تھی۔ مفسدین دن کی روشنی میں اپنے فاسد جذبے کی تسکین کے لیے نہایت بیباکانہ انداز میں اکابر اسلام کو کوستے تھے، گالیاں دیتے تھے۔ دیار حبیب ﷺ کی جا بجا بےحرمتی ہونے لگی تھی۔

اب اگر بعض صحابہ نے قتلِ مفسدین یا دوسرے الفاظ میں 'قتل قاتلانِ عثمان کا بیڑہ اُٹھایا تو کیا بُرا کیا؟'

خلافت اسلامیہ کی ہیبت وجلالت مٹی میں مل جائے اور مسلمان کھڑا دیکھتا رہے۔ تو آج کا 'لفظی مسلمان' تو اُسے گوارا کرسکتا ہے مگر اس کی امید صحابۂ کرام سے بھی رکھنا صرف فسادِ قلب ہے۔

طالبانِ قصاص کے سامنے 'قصاص عثمان' کی صرف شرعی حیثیت ہی نہ تھی بلکہ وہ اس کی سیاسی ضرورت کا بھی احساس شدت سے کررہے تھے۔ وہ اچھی طرح سمجھ رہے تھے کہ اب 'تطہیر لشکر' کی صرف ایک صورت ہے کہ قاتلوں اور باغیوں کو فوراً موت کے گھاٹ اتار دیا جائے تاکہ قصرِ خلافت پھر سے مستحکم ہوجائے کسی نئے امیر المومنین کی طرف دشمنوں کو آنکھ اُٹھانے کی ہمت نہ پڑے۔ **مدینۃ الرسول** میں امن وشانتی کو دوام نصیب ہوجائے۔ دیارِ حبیب کے تقدس کا پرچم دُنیا میں نہایت والہانہ انداز میں لہرا دیا جائے۔

دوسری طرف بیعتِ الرضوان کی تکمیل بھی کردی جائے تاکہ تاجدارِ دوعالم ﷺ بلکہ خدائے عزوجل سے کیا گیا وعدہ بھی پورا ہوجائے۔

اس بات پر یہ اعتراض کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قصاص کیوں نہ لیا۔ جب کہ بیعت کنندگان میں وہ بھی تھے جواباً عرض کروں گا کہ تاریخ کی کسی مردود روایت سے بھی یہ ثابت نہیں کیا جاسکتا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہٗ نے قصاص سے انکار کیا ہو۔ اب یہ کہ قصاص فوراً لیا جائے یا تاخیر کی جائے۔ یہ اپنی پوری تفصیلات کے ساتھ خلیفۂ وقت کی صوابدید پر منحصر ہوتا ہے۔ تقدیم وتاخیر سے نفسِ مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور پھر فوری طور پر قصاص اسی وقت لیا جاسکتا ہے جب خلافت مستحکم اور پائیدار ہو۔ اُمت شخصِ واحد پر مجتمع ہوچکی ہو۔ اب جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت غیر مستحکم تھی تو پھر اس صورت میں 'تاخیر قصاص' محل اعتراض ہی نہیں۔

اگر خلیفہ اول سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہٗ استحکام اور بیعتِ خلافت کے لیے 'تدفینِ رسول ﷺ' کو مؤخر کرسکتے ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ اسی استحکام اور بیعتِ خلافت کے لیے سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ 'قصاص عثمان' کو مؤخر نہ کریں؟

جنگ جمل ہو یا جنگ صفین' دونوں کی بنیاد صرف تقدیم قصاص اور تاخیر قصاص ہے۔ اسی لیے اصحابِ علم ان جنگوں کو اجتہادی لڑائی کہتے ہیں۔

رہا سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا استحکامِ خلافت پر زور دینا۔ صدیقی طرزِ عمل ہونے کے ساتھ ساتھ، ملت کی شیرازہ بندی کے لیے انتہائی ضروری تھا۔ اسی لیے سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا طرزِ عمل، اندازِ فکر اور عملی سرگرمی ہر حیثیت سے صحیح ہے۔ چنانچہ علمائے حق نے ایک نہایت معتدل، جامع اور واقعہ کے مطابق یہ فیصلہ کیا کہ طالبانِ قصاص اپنے جائز اور ضروری مطالبے کی بنیاد پر 'اہل حق' اور سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اُن حضرات کے مقابلے میں اپنی صحیح رائے، دُرست اندازِ فکر اور مستحسن اقدامات کی بنیاد پر 'احق' ہیں۔ یہی وہ معتدل فیصلہ ہے جس پر نصوص شرعیہ اور ائمہ اسلام کے ارشادات عالیہ شاہد عدل ہیں۔

حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کے نقطۂ نظر کی ترجمانی حضرت سرکار بغداد پیران پیر رضی اللہ عنہٗ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

اما قتاله رضی الله عنه بطلحة والزبير عائشة ومعاويه فقد نص الامام احمد رحمه الله على الامساك عن ذلك [1]

لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہٗ کا حضرات طلحہ، زبیر، عائشہ و معاویہ رضی اللہ عنہم سے جنگ فرمانا تو اس پر امام احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ نے خوشہ چینی سے باز رہنے کی تصریح فرمادی ہے۔

---

[1] غنیۃ الطالبین ج ا ص ۷۸ والواقعیت الجواہر ج ۲ ص ۷۷

امام عبدالوہاب شعرانی فرماتے ہیں:

قال الکمال بن شریف ولیس المراد بما شجر بین علی ومعاویه المنازعة فی الامارة کما توهمه بعضهم انما المنازعة کانت بسبب تسلم قتله عثمان رضی الله عنه الی عشر لیقصو امنهم [۱]

کمال بن شریف نے کہا حضرات علی و معاویہ کے درمیان جو نزاع تھی اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ امارت میں نزاع تھی جیسا کہ بعض لوگوں کو اس کا وہم ہے۔ نزاع صرف اس وجہ سے تھی کہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کے خاندان کو (حضرت علی) سپرد کریں تاکہ یہ حضرات قاتلین سے قصاص لیں۔

مورخین کا جواب دیتے ہوئے امام موصوف فرماتے ہیں:

ولا التفات الی ما یذکره بعض اهل السیر فان ذلک لا یصح وان صح فله تاویل صحیح [۲]

بعض اہل سیر جن باتوں کا تذکرہ کرتے ہیں وہ صحیح نہیں اور بالفرض صحت ثابت ہو جائے تو صحیح تاویل کی جائے گی۔

گویا اہل سیر کا محض نقل کر دینا صحت روایت کی دلیل نہیں۔ نیز ان کی ساری باتیں قابل قبول نہیں کیونکہ ان کی بعض مرویات ساقط الاعتبار ہیں۔ لہٰذا تاریخ و سیر کی بنیاد پر طعن واعتراض کرنا سخت محرومی کی بات ہے......

اگر کوئی اپنی پیش کردہ تاریخی روایت کی صحت کو ثابت کر لیتا ہے جب بھی وہ روایت من وعن مقبول نہ ہوگی بلکہ صحیح تاویل کی جائے گی۔ **(فله تاویلٌ صحیحٌ)**

---

۱ - ۲ الیواقیت والجواہر ج ۲ ص ۷۷

علامہ ابن حجر صواعق محرقہ میں فرماتے ہیں:

ومن اعتقاد اهل السنة والجماعة انماجری بین معاویه وعلی رضی الله عنهما من الحروب فلم یکن لمنازعة معاویه لعلی فی الخلافة

یہ اعتقاد اہل سنت والجماعت میں سے ہے کہ جو کچھ حضرات علی و معاویہ (رضی اللہ عنہما) کے مابین نزاع تھی وہ حضرت معاویہ کی حضرت علی کے لیے خلافت میں نہ تھی۔

حضرت پیرانِ پیر دستگیر علیہ الرحمہ غنیۃ الطالبین میں فرماتے ہیں:

ومن قاتله من معاویه وطلحه والزبیر طلبوا ثا عثمان خلیفة حق المقتول ظلماً والذین قتلوه کانوا فی عسکر علی فکل ذهب الی تاویل حسن

اور جن لوگوں نے حضرت علی سے مقاتلہ کیا وہ حضرات معاویہ طلحہ اور زبیر تھے ان حضرات نے خلیفۂ برحق حضرت عثمان جو ظلماً شہید کئے گئے تھے خون کا بدلہ لینے کا مطالبہ کیا اور وہ قاتلین لشکر علی میں تھے۔ پس ہر ایک تاویلِ حسن کی طرف گیا۔

حضرت مولانا عبدالحفیظ صاحب مفتی آگرہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

'یہ جنگیں امر خلافت کی وجہ سے نہ تھیں، یعنی یہ کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ طالب خلافت نہ تھے اور امام حق سے باغی نہ تھے بلکہ یہ جنگیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلین کے سپردگی کے مطالبہ پر یا حضرت مولائے کائنات کے ان قاتلین سے ترک قصاص پر ہوئیں'۔ (صیانۃ الصحابہ ص ۲۳)

ائمہ کرام اور علمائے اسلام کے مذکورہ بالا ارشادات سے یہ بات اظہر من الشمس ہوگئی کہ جنگ جمل اور صفین 'مبنی علی الاجتہاد' تھیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو زیادہ سے زیادہ

مخطی فی الاجتہاد' کہا جاسکتا ہے اور خطاء فی الاجتہاد بالاتفاق ایک نیکی ہے پھر الزام
بغاوت چہ معنی دارد۔

مفتی صاحب: اہل سنت والجماعت کا ایک مرکزی ادارہ ہے جس کے بانی شیخ المشائخ
اعلیٰ حضرت امام العارفین شبیہ غوث الثقلین محبوب ربانی سید شاہ علی حسین اشرفی میاں
جیلانی قدس سرہ' ہیں۔ اس ادارہ کے فیضان سے ہندوستان کا چپہ چپہ فیضیاب ہورہا ہے
اور مجھ تشنہ لب کو بھی اول اول اسی ادارے نے سیراب کیا۔ اس مادر علمی کا نام ہے
'مصباح العلوم اشرفیہ' مبارک پور ضلع اعظم گڈھ یوپی۔

یہاں ایک شاندار دارالافتاء ہے جس کی مسند پر 'حضرت مولانا مفتی عبدالمنان صاحب
اعظمی' رونق افروز ہیں۔ کتب فقہ کے ساتھ کتب نحو سے بھی غیر معمولی شغف ہے 'درس
نظامیہ' موصوف کی ابتداء وانتہاء ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کتب تاریخ سے ہمیشہ بے تعلق رہے۔
مفتی صاحب کا تعارف میں اس لیے کرا رہا ہوں تا کہ آئندہ صفحات سے متاثر ہوکر
آپ اُن کی جلالتِ علمی سے مایوس نہ ہوں۔

جب میں مبارک پور کے اس مرکزی ادارے میں زیر تعلیم تھا تو میری نگاہ سے محمود احمد
عباسی کی کتاب 'خلافت معاویہ و یزید' گذری۔ پڑھنے کے بعد یہ خواہش پیدا ہوئی کہ
دیکھوں اس کتاب کا علمائے حق نے کیا جواب دیا ہے؟ اس سلسلے میں پہلی کتاب جو پڑھنے کو
ملی اس کا نام ہے 'کربلا کا مسافر' علامہ مشتاق احمد نظامی الہ آبادی مدیر پاسبان نے مختلف
مضامین کو ترتیب دے کر اسے 'حسین نمبر' کے طور پر شائع کیا ہے۔ سائز کتابی ہے۔ اسی
میں حضرت مفتی صاحب قبلہ کا ایک مضمون شائع ہوا ہے 'خلافت علی عقائد کی روشنی میں'۔
مفتی صاحب کا مضمون پڑھتے وقت میرے دِل و دماغ کو کئی بار دھچکا لگا' بڑے صبر

وضبط سے مضمون پورا پڑھتا گیا۔ پھر ایک عرصہ تک وہ مضمون میرے لیے سوالیہ نشان
بنا رہا۔ بالآخر مجبور ہوکر میں نے حل تلاش کرنا شروع کردیا۔ مجھے اس سے بہتر کوئی صورت
نظر نہ آئی کہ مضمون سمجھنے کے لیے خود مضمون نگار کو ہی مخاطب کیا جائے' چنانچہ میں نے ایک
رجسٹری حضرت مولانا عبدالمنان صاحب اعظمی مفتی دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور ضلع اعظم
گڈھ کے نام روانہ کی جو حسب ذیل تھی۔

گرامی قدر حضرت مفتی صاحب قبلہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کا ایک مضمون 'خلافت علی عقائد کی روشنی میں'۔ حسین نمبر یعنی کربلا کا مسافر، میری
نظر سے گذرا۔ آپ نے صفحہ ۸۵ پچاسی پر سر العالمین للغزالی ص ۱۱۱-۱۱۲ سے ایک
عبارت نقل کی ہے جس کا ترجمہ یہ کیا ہے۔

'سب سے پہلا فیصلہ جو قیامت کے دن ہوگا۔ حضرت علی و معاویہ رضوان
اللہ علیہم اجمعین میں ہوگا۔ تو خدا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں فیصلہ کرے
گا۔ بقیہ تحت مشیت الٰہی ہوں گے۔ نیز رسول اللہ ﷺ کا قول ہے۔ عمار (رضی
اللہ عنہ) تجھے باغی گروہ قتل کرے گا تو امام باغی نہیں ہوسکتا۔ پس امامت دو
آدمیوں کے لیے نہیں ہوسکتی۔ جس طرح ربوبیت دو کے لیے نہیں'۔

(پھر آپ یہ نتیجہ نکالتے ہیں)

'اس عبارت میں کس وضاحت سے امام غزالی فرماتے ہیں بیعت اولیٰ
حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تھی اور وہی حق ہے جیسا کہ حکم رسول ہے۔ یوں ہی
حدیث رسول ہے کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو باغی گروہ قتل کرے گا۔ (باغی

کے جو معنی بھی ہوں) پس جن لوگوں نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو قتل کیا امام حق ہوں گے؟'

آپ کا یہ انداز فکر اور طرز استدلال غیر صحیح معلوم ہوتا ہے۔ جس کے چند وجوہ ہیں:

۱- اس مقام پر آپ نے اپنا ماخذ سر العالمین کو قرار دیا ہے اور یہ کتاب اتنی ہی غیر معتبر ہے جتنی شیعوں اور دشمنان اہل سنت کی دوسری کتابیں ہیں۔

۲- سر العالمین کو حجۃ الاسلام محمد غزالی کی تصنیف باور کرانا خلاف تحقیق ہے۔ چنانچہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی جو بقول حافظ ملت (شیخ الحدیث دارالعلوم اشرفیہ) خاتم المحدثین ہیں، اپنی لاجواب کتاب 'تحفہ اثنا عشریہ' میں شیعوں کا کید بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

'اکیسواں کید یہ ہے کہ ایسی کتاب جس میں صحابہ پر لعن وطعن اور مذہب اہل سنت کا بطلان ہو تصنیف کرتے ہیں اور اس کو اہل سنت کے کسی جلیل القدر عالم کی طرف منسوب کر دیتے ہیں"

مثلاً کتاب 'سیر العالمین' کو امام محمد غزالی کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اسی طرح اور کئی کتابیں اس قسم کی ترتیب دے کر یہی حرکت انہوں نے کی ہے۔ (تحفہ اثناء عشریہ (اردو) ص ۶۰-۶۱)

وہ کتاب جو مکائد شیعہ اور مفاسد رفض کا نتیجہ اور ثمرہ ہو وہ اہل سنت کے کسی جلیل القدر امام کی طرف منسوب کرنے سے کیا لائق حجت ہو سکتی ہے؟

۳- انتساب غلط سے صرف نظر کرتے ہوئے بھی اگر غور کیا جائے تو بھی آپ کا پیش کردہ تصور تاریخی حقائق کے خلاف اور مسلمات اہل سنت سے متصادم ہے درج کردہ اقتباس میں تین باتیں ہیں۔

i) قیامت کے دن مقدمہ علی ومعاویہ بارگاہ الٰہ میں پیش کیا جائے گا رب العزت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں فیصلہ کر کے بقیہ حضرات کو تحت مشیت رکھے گا۔

ii) حضرت علی ومعاویہ رضی اللہ عنہما بیک وقت دعویدار خلافت تھے۔

iii) گروہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے ہی حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو شہید کیا ہے۔ لہٰذا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ باغی ہوئے۔

پہلی شق کا جواب:-

حضرت امام نووی شارح صحیح مسلم فرماتے ہیں:

وما الحرب التي جرت فكانت لكل طائفة شبهته اعتقدت تصويب انفسها بسببها وكلهم عدول ومتاولون فى حروبهم وغيرها ولم يخرج شيئ من ذلك احدا منهم من العدالة لانهم مجتهدون.

یعنی ان جنگوں میں ہر گروہ شبہ میں رہا۔ اپنے آپ کو حق وصائب سمجھتا رہا۔ وہ سب عادل اور جنگوں میں متاول ہیں اس بنیاد پر عدالت سے خارج نہ ہوں گے۔ اس لیے کہ وہ سب مجتہد ہیں۔

اس فقہ اسلامی کے اس ضابطے سے غالباً آپ ناواقف نہ ہوں گے کہ اجتہادی غلطی کرنے والے کی تضلیل وتفسیق جائز نہیں ہے **(والمخطی فی الاجتهاد لا يضلل ويفسق علىٰ ما عليه الاعتماد).**

اس صورت صحیحہ کی روشنی میں جواب دیا جائے کہ

۱- کیا اجتہادات مجتہدین کو بصورت مقدمہ بارگاہ الٰہ میں پیش کیا جائے گا۔

۲- کیا کسی مجتہد کی خطا موجب گناہ ہے۔

٣- کیا وہ طبقہ جو **کلھم عدول** اور **'کالنجوم'** ہے، سے کسی قسم کا موخذہ ہوگا؟

٤- **یتربصن بانفسھن ثلثة قروء** کے تحت جو امام اعظم اور امام شافعی کا اختلاف ہے اور جس کے نتیجہ میں حضرت امام شافعی اور اسی کے برعکس جو چیز امام اعظم کے نزدیک حلال ہے وہ امام شافعی کے نزدیک حرام تو کیا حرام و حلال کا یہ جھگڑا بھی بارگاہ الٰہ میں پیش ہوگا؟ آخر اس میں ڈگری کس کی ہوگی اور کون تحتِ مشیت الٰہی ہوگا؟

٥- اگر اختلافاتِ اُمت رحمت اور اجتہاداتِ مجتہدین ہر طرح کے مواخذہ سے محفوظ ہے تو پھر اسلام کے ان دو مجتہدین علی و معاویہ (رضی اللہ عنہما) کے اختلافِ اجتہاد کو کون سی خصوصیت حاصل ہے کہ اتنے اہتمام سے بارگاہِ الٰہ میں پیش ہو؟

٦- کیا خطائے اجتہادی نیکی نہیں۔ اگر نیکی ہے تو پھر قیامت میں کسی مقدمہ کی ترتیب کی کیا ضرورت ہے؟

٧- کہیں ایسا تو نہیں کہ سیر العالمین کے غالی مصنف نے مجتہدین اہل سنت کی توہین کے لیے یہ سب باتیں تراشیں جسے آپ نے بھی بلا تحقیق و تنقید پھر سے صفحۂ قرطاس پر منتقل کردیا۔

دوسری شق کا جواب:-

کربلا کا مسافر کے صفحہ ١٥٦ پر ہی حضرت مولانا محمد شفیع صاحب شیخ الادب دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور آپ کے اس خیال کی تردید ان الفاظ میں کرتے ہیں:

'خود حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس خلافت سے اختلاف نہیں تھا۔ مولائے کائنات کے مقابلہ میں اپنے کو کسی طرح مستحق خلافت نہیں سمجھتے تھے۔ ان کے اختلاف اور بیعت نہ کرنے کی بنیاد دوسری وجہ تھی'۔

مفتی آگرہ حضرت مولانا عبدالحفیظ صاحب علیہ الرحمہ 'صیانۃ الصحابۃ' میں صاف صاف فرماتے ہیں۔

'یہ جنگیں امرِ خلافت کی وجہ سے نہ تھیں یعنی یہ کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ طالب خلافت نہ تھے'۔

تیسری شق کا جواب:-

آپ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو جس حدیث کی روشنی میں باغی بنانے کی کوشش کی ہے وہ حدیث یہ ہے **تقتله الفئة الباغية عمار يدعوهم الى الله ويدعونهم الى النار**۔

اگر یہ تسلیم ہی کرلیا جائے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس حدیث کے مصداق ہیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ایک زبردست اعتراض ہوگا کہ معاذ اللہ انھوں نے قران کی خلاف ورزی کی۔ ارشاد ربانی ہے: **﴿وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِىْ تَبْغِىْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ﴾** (الحجرات/٩)

جب طالبانِ قصاص اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان ایک بار مصالحت ہوگئی اور اس صلح کے بعد جمل اور صفین کی جنگیں ہوئیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے باغیوں کو صفحہ ہستی سے کیوں نہیں ہٹا دیا؟

حضور والا ! اگر 'قتلِ عمار' کے سبب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا باغی ہونا قطعی اور یقینی ہوتا تو بلاشبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ایسا مقاتلہ کرتے جو یا تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو مٹا دیتا یا ارشادِ ربانی کے مطابق **'الی امر اللہ'** جھکا دیتا۔

مگر یہاں معاملہ اس کے برعکس ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ **الی امر اللہ** جھکانے کے بجائے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر رہے ہیں۔ سلسلہ جنگ کو ختم کر رہے ہیں۔ کیا باغی سے صلح شرعاً جائز ہے؟ کیا یہ کہنا درست نہیں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صلح کر کے خود ثابت کیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ باغی نہیں۔

نامناسب نہ ہوگا کہ ہم اُن صحابہ کرام جو اس حدیث کے راوی ہیں کا موقف بھی سمجھتے چلیں۔

اسمائے راویان حدیث:۔

۱-حضرت عثمان ۲-حضرت حذیفہ ۳-حضرت ابورافع ۴-حضرت ابن مسعود ۵-حضرت ابوسعید خدری ۶-حضرت ابوہریرہ ۷-حضرت ام سلمہ ۸-حضرت قیس بن سعد ۹-حضرت ابوایوب ۱۰-حضرت ابوقتادہ ۱۱-حضرت خزیمہ بن ثابت ۱۲-حضرت عمار ۱۳-حضرت عمرو بن عاص ۱۴-حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ۱۵-حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

ان مذکورہ بالا پندرہ راویان حدیث میں واقعہ صفین سے پہلے ہی چار حضرات واصل بحق ہو چکے تھے۔

۱-حضرت عثمان ۲-حضرت حذیفہ ۳-حضرت ابورافع ۴-حضرت ابن مسعود۔

وہ حضرات جو جنگ صفین میں غیر جانبدار تھے۔ وہ پانچ ہیں:

۱-حضرت ابوسعید خدری ۲-حضرت ابوہریرہ ۳-حضرت ام سلمہ ۴-حضرت ابو ایوب انصاری ۵-حضرت قیس بن سعد۔

وہ حضرات جو جنگ صفین میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے وہ تین ہیں:

۱-حضرت عمار ۲-حضرت ابوقتادہ ۳-حضرت خزیمہ بن ثابت (رضی اللہ عنہم)

وہ حضرات جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے وہ بھی تین ہیں:

۱-حضرت عمرو بن العاص ۲-حضرت جریر (سابق گورنر علی) ۳-حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہم)

اس کا اجمالی نقشہ یہ ہوا کہ چار حضرات وفات یافتہ، ۵ حضرات غیر جانبدار، تین حضرات مولا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ اور تین حضرات امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ۔ یہ تھے پندرہ راویان حدیث۔

الحاصل ان پندرہ راویان حدیث میں سے جتنی تعداد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حمایتی تھے اتنی ہی تعداد میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بھی حمایتی تھے اور اکثریت نے دونوں میں سے کسی کا بھی ساتھ نہ دیا۔

اگر راویان حدیث حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس حدیث کا مصداق سمجھتے تو قطعاً لشکرِ معاویہ میں ایک بھی راوی حدیث ایک لمحے کے لیے بھی نہ ٹھہرتا بلکہ مخالفت کرتا۔ راویانِ حدیث کا غیر جانبدار رہنا بلکہ بعض حضرات کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مدد کرنا اس بات کا بین ثبوت ہے کہ الفاظ حدیث بالکل صحیح لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کسی بھی درجہ میں اس کے مصداق نہیں۔ ورنہ لازم آئے گا کہ اصحاب رسول کے بارے میں یہ کہا جائے کہ اصحابِ رسول حدیث تو بڑے مزے میں بیان کرتے ہیں مگر اس کے معنی و مصداق کو سمجھ نہیں پاتے۔ نعوذ باللہ من ہذا الخرافات۔

ہم یہ بات بالجزم اس لیے کہہ رہے ہیں کہ خود حدیث میں قاتلِ عمار کی ایک صفت ایسی بیان کی گئی ہے جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ میں نہیں پائی جاتی اور وہ یہ ہے۔ "**ویدعونہم**

"الی النار" یعنی وہ عمار کو جہنم کی طرف دعوت دیتے ہوں گے۔

تاریخ کی کسی مردود اور ساقط الاعتبار روایت سے بھی نہیں ثابت کیا جاسکتا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو کبھی بھولے سے بھی اپنی طرف آنے کی دعوت دی ہو۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے صرف اسی علم کو بلند کیا تھا جس کو اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ عنہا نے سب سے پہلے اٹھایا تھا۔ کیا جناب سیدہ جنگ جمل میں **دعوت الی النار** دے رہی تھیں۔ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر یہی طلب قصاص جنگ صفین میں **دعوت الی النار** کیونکر ہوسکتا ہے۔

لہٰذا اس حدیث کا مصداق وہی اور صرف وہی گروہ ہوسکتا ہے جو قاتل بھی ہو اور **داعی الی النار** بھی۔ وہ گروہ قاتلِ عمار ہرگز نہیں ہوسکتا جو **داعی الی النار** نہ ہو کیونکہ باغی گروہ کی یہ صفت نبی جانِ رحمت نے بیان فرمائی ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ قاتلانِ عثمان کا گروہ باغی تھا اور مصر میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو یہی گروہ **دعوت الی النار** دے رہا تھا۔ (ملاحظہ ہو تاریخ ابن خلدون حصہ اول ص ۴۴۶ نفیس اکیڈیمی کراچی)

اور یہی باغی گروہ جنگ صفین میں بھی موجود تھا۔ ممکن ہے دانائے غیوب ﷺ نے اسی گروہ کے بارے میں ارشاد فرمایا ہو کہ عمار (رضی اللہ عنہ) کو باغیوں یعنی سبائیوں کی ایک ٹولی قتل کرے گی عمار (رضی اللہ عنہ) تو انہیں اللہ کی طرف بلا رہے ہوں گے اور وہ عمار (رضی اللہ عنہ) کو جہنم کی دعوت دیتے ہوں گے۔

قاتلانِ عثمان کا یہی نقطہ نظر تھا کہ علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کو لڑائے رکھو۔ اس لیے کہ جب تک ان میں پنجہ آزمائی ہوتی رہے گی۔ تب تک مسئلہ قصاص کھٹائی میں پڑا رہے گا اور ہماری جانیں محفوظ رہیں گی۔

قاتلِ عمار کا باغی ہونا مشہور ہی تھا۔ بہت ممکن ہے کہ قاتلانِ عثمان نے یہ سوچا ہو کہ عمار (رضی اللہ عنہ) سامنے ہیں۔ ہر فرد مصروف جنگ ہے۔ کون کس کو دیکھ رہا ہے۔ عمار (رضی اللہ عنہ)، حضرت علی رضی اللہ عنہما کے ساتھ بالاعلان جنگ میں ہیں اگر ہم انہیں قتل کردیں تو دُنیا یہ کہے گی کہ معاویہ (رضی اللہ عنہ) نے مارا، معاویہ (رضی اللہ عنہ) نے مارا۔

مگر قربان جائے اس نبی غیب داں ﷺ پر جس نے گویا جھانک کر دیکھ لیا کہ صفین میں صرف گروہ علی و معاویہ (رضی اللہ عنہما) ہی تو نہیں۔ قاتلانِ عثمان کا گروہ بھی تو ہے۔ اور یہی باغی گروہ علی و معاویہ (رضی اللہ عنہما) کو لڑانے اور اپنی جان بچانے کے لیے عمار (رضی اللہ عنہ) کو شہید کرے گا اور یہی وہ گروہ ہے جو حضرتِ عمار رضی اللہ عنہ کو **دعوت الی النار** دے گا۔ جیسا کہ تاریخ ابن خلدون اور طبری میں بالتفصیل ہے اسی لیے سرکار دوعالم ﷺ نے فرمایا:

"تقتله الفئة الباغة عمار يدعوهم الى الله ويدعونهم الى النار"۔

اس کے علاوہ اگر حدیث کی وضاحت حدیث سے کردی جائے تو پھر انکار کی گنجائش ہی باقی نہ رہے گی۔ وفاء الوفا میں ذیل حدیث کو بزاز وغیرہ کے حوالے سے یوں بیان کیا گیا:

"یا عمار لایقتلك اصحابی تقتلك الفئة الباغية"۔ اس نبوی ارشاد کی روشنی میں ہم صرف اسی کو باغی گروہ کہہ سکتے ہیں جس میں بہرصورت دو باتیں پائی جاتی ہوں۔

۱- اس کا صحابی نہ ہونا

۲- قاتل ہونے کے ساتھ ساتھ **داعی الی النار** ہونا۔

اور یہی ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ سید الاغواث والاقطاب حضور امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں ان دونوں میں سے کوئی ایک بات بھی پائی نہیں جاتی۔

چنانچہ حضرت مولانا عبدالحفیظ صاحب مفتی آگرہ علیہ الرحمہ اپنی کتاب صیانتہ الصحابہ صفحہ ۲۷ پر رقم طراز ہیں۔

'الحمدللہ کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا صحابی ہونا ثابت ہوگیا اور محققین کے نزدیک اُن کا باغی و فاسق نہ ہونا بھی ثابت ہوگیا'۔

اب حضورِ والا سے فقط اتنی گذارش ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو باغی لکھ کر محققین کا مسلک اور راستہ کیوں چھوڑا گیا؟

صدر مفتی دارالعلوم اشرفیہ اور پاسبان ملت علامہ نظامی صاحب سے باادب سوال کرتا ہوں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین کرنے والی کتاب سرّ العالمین کی اشاعت کیوں کی؟ آپ نے وہ مضمون جو رافضی کی کتاب سے ماخوذ تھا امام غزالی کی کتاب سمجھ کر سہواً شائع کیا ہے تو فوری طور پر رجوع کیجئے تاکہ شرعی تقاضے پورے ہوں۔

امید قوی ہے کہ حضور والا تفصیلی جواب مرحمت فرما کر میرے شکوک وشبہات کو دور فرمائیں گے۔

بہر حال آپ کے بحرِ کرم سے امید قوی ہے کہ مجھ جیسے تشنہ علم کی اس جسارت علمی کو بنظر حقارت نہ دیکھ کر ہمت افزائی فرمائیں گے کیونکہ میں بہر حال طالب علم اور آپ میرے استاذ محترم ہیں۔ ساتھ کا لفافہ جواب کے لیے ہے۔

امید ہے مزاج عالی بخیر ہوگا۔ فقط

طالب دعا

سید محمد ہاشمی اشرفی

جامعہ عربیہ، محلہ خیر آباد، سلطان پور

مذکورہ بالا خط رجسٹری کی صورت میں روانہ کردینے کے بعد میں جواب کا بڑی بے چینی سے انتظار کرنے لگا۔ پندرہ دن گزرے، بیس دن گذرے، ایک ماہ بلکہ دو ماہ گذر گئے پھر بھی کوئی جواب نہ آیا۔ بالآخر مجبور ہوکر میں نے یہ خط روانہ کیا۔

گرامی قدر جناب مفتی صاحب

السلام علیکم

ایک استفتا آج سے تقریباً دو ماہ قبل بصورت رجسٹری آپ کی خدمت میں روانہ کیا جس کی رسید میرے پاس ہے پھر بھی اب تک جواب سے محروم ہوں۔

براہِ کرم ایک پوسٹ کارڈ ہی کے ذریعہ اتنا تو تحریر فرما دیجئے کہ آیا آپ جواب لکھ رہے ہیں یا نہیں؟

تمام اساتذہ کرام کی بارگاہ عالیہ میں میری جانب سے سلام عرض کردیجئے گا امید ہے کہ آپ کے مزاج بخیر ہوں گے۔ فقط والسلام مع الاحترام

طالب دعا

سید محمد ہاشمی اشرفی

جامعہ عربیہ، محلہ خیر آباد، سلطان پور

مورخہ ۱۶ر ستمبر ۱۹۶۹ء

اس کے سترہ دن بعد پھر میں نے ایک اور خط روانہ کیا کہ شاید جواب اثبات ونفی ہی میں دے دیں۔ تیسرے خط کے الفاظ یہ تھے۔

حضرت اقدس - سلام رحمت

مجھے اپنے استفتے کا جواب اب تک موصول نہ ہوا۔ جب کہ روانہ کیئے ہوئے تقریباً دو

ماہ ہو رہے ہیں ۔ کیا آپ جواب نہ دیں گے ۔ تحریر فرمائیں ۔ تاکہ میں انتظار کی شدید تلخیوں سے خود کو محفوظ کرلوں ۔

امید ہے مزاج بخیر ہوگا ۔

فقط

طالب دعا

سید محمد ہاشمی اشرفی

جامعہ عربیہ، محلہ خیرآباد، سلطان پور

مورخہ ۴راکتوبر

مفتی صاحب نے اس خط کا کوئی جواب نہیں دیا۔ پورے اکیس سال گذر چکے ہیں۔ پھر بھی جواب کی طرف متوجہ نہیں ہو رہے ہیں۔ کیا میرا سوال لائق التفات نہ تھا؟ اب اس کا جواب ناظرین کو دینا ہے۔

خدا گواہ ہے کہ میں اس خط و کتاب کو شائع نہ کرتا۔ مگر میں مجبور ہوں اس لیے کہ مفتی صاحب کی قابل گرفت بات مطبوعہ ہے۔ آج ہزاروں نگاہیں اس پر پڑتی ہیں۔ بیشمار زبانیں ان باتوں کو دہراتی ہیں اور دشمنان اہل سنت کے پرچار کے لیے ایک نایاب مسالہ بنا ہوا ہے۔

کسی سوال کے جواب کے لیے چھ مہینہ بیت جائے بہت ہے چہ جائے کہ اکیس سال گذر جائے اور جواب نہ دیا جائے اس لیے مایوس ہوکر ناظرین کی عدالت میں اپنا مقدمہ پیش کرنا پڑا۔ تاکہ حق و ناحق واضح ہوجائے۔

مدیر النجم :-

مدیر النجم سے میری مراد مولانا عبدالشکور کاکوری کی ذات ہے' النجم کے آپ ایڈیٹر تھے۔ ان کا مخصوص حلقہ ان کو غیر شعوری طور پر امام اہل سنت کہتا تھا۔ مولانا کاکوری نے تو غضب ڈھادیا۔ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو' باغی' لکھا اور اس کے فوراً بعد خاطی بھی لکھا تاکہ بغاوت میں کوئی شبہ نہ کرے۔ ملاحظہ ہواُن کی کتاب 'سیرت خلفائے راشدین'۔ اس کا اعتراف مرزا عابد حسین سابق شیعہ نے اپنی کتاب 'مدبر اعظم' میں کیا ہے امیر المومنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو باغی اور خاطی لکھ کر مولانا عبدالشکور صاحب کا اتباع کیا ہے۔

حضرت صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی جو اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان علیہ الرحمہ کے خلیفہ اور شاگرد ہیں اپنی معرکۃ الآراء کتاب 'بہار شریعت' میں فرماتے ہیں :

'گروہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر حسب اصطلاح شرع اطلاق فئۃ باغیہ آیا ہے مگر اب کہ باغی بمعنی مفسد، معاند و سرکش ہوگیا ہے اور دشنام سمجھا جاتا ہے۔ اب کسی صحابی پر اس کا اطلاق جائز نہیں'۔ (بہار شریعت حصہ اول صفحہ ۷۶)

عرف شرع کی تشریح ان الفاظ میں کرتے ہیں :

عرف شرع میں بغاوت مطلقاً بمقابلہ امام برحق کو کہتے ہیں'۔

حضرت صدر الشریعہ کے ان الفاظ نے اس حقیقت کو واضح کردیا کہ عرف شرع میں بغاوت صرف امام برحق کے مقابلہ میں آنے کو کہتے ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں، امیر المومنین حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ' مولائے مومنین حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ جو امام برحق تھے کے مقابلے میں آئے لیکن عرف عام میں بغاوت، فساد اور سرکشی کو کہتے ہیں۔ لہٰذا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو باغی کہنا، ان کو مفسد، معاند اور سرکش قرار دینا ہے۔ جسے کوئی نام نہاد

'امام اہل سنت' برداشت کرسکتا ہے۔ لیکن اہل سنت و جماعت اسے کسی بھی درجے میں گوارہ نہیں کرسکتے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ صلح حسن کے بعد امام برحق ہوئے تو جو مسلمانوں کے امام برحق کو باغی کہے اُس کی امامت کو ہم کیسے تسلیم کرسکتے ہیں۔

حضرت مولانا عبدالحفیظ صاحب مفتی آگرہ بابا خلیل داس کو جواب دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

'حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے امام حق، خلیفہ صدق اور ان کے باغی و ظالم نہ ہونے کے متعلق مقدمہ میں زیر عنوان نمبر۲ مفصل بحث کرچکے ہیں وہاں ملاحظہ کیا جائے'۔ (حیاۃ الصحابہ ص ۶۸)

اس سوال کے جواب میں کہ کیا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جنگ صفین کی بنیاد پر باغی یا منافق کہا جاسکتا ہے؟ مخدوم الملت حضور محدث اعظم ہند کچھوچھوی علیہ الرحمہ والرضوان فرماتے ہیں:

'ہر صحابی کے لیے اللہ تعالیٰ نے ﴿وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى﴾ (النساء/۹۵) فرما کر جنت کا وعدہ فرمالیا اس کے سوا منافق یا باغی کہنا تبرا بکنا ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل پر سترہ بزرگان دین کی شہادتیں ہیں'۔

حنفی فقہ کی مستند کتاب 'فتاوی برہنہ' میں ہے:

پیغمبر علیه السلام عمار را فرمود تقتلك الفئة الباغية اما ائمه جواب داده اند که باغی نام "خاطی در اجتهاد نیست و اینجا بمعنی طلب است یعنی القوم المطالبة لدم عثمان رضی الله عنهٔ۔

پیغمبر علیہ السلام نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ تمہیں باغی گروہ قتل کرے گا تو اس کا ائمہ کرام نے جواب دیا ہے کہ اجتہادی غلطی کرنے والے کو باغی نہیں کہتے ہیں اس مقام پر باغی بمعنی طالب ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم کے خیالات ملاحظہ ہوں:

واما السلف كابى حنيفة ومالك واحمد وغيرهم فيقولون لم يوجد شرط قتال الطائفة الباغية
(فتاوی برہنہ جلد اول ص ۱۶)

لیکن اسلاف کرام مثل امام ابو حنیفہ، امام مالک اور امام احمد بن حنبل وغیرہم فرماتے ہیں (ان جنگوں میں) وہ شرط نہیں پائی جاتی جو باغی گروہ سے قتال کے لیے ہے۔

الحاصل زبان عربی میں عرف شرع کا لحاظ کرتے ہوئے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو باغی یا ان کے لشکر کو 'الفئۃ الباغیۃ' جہاں کہیں لکھا اور کہا گیا ہے وہاں باغی بمعنی طالب ہے۔ کیونکہ اجتہادی غلطی کرنے والے کو باغی یا خاطی نہیں کہا جاسکتا۔

اور اگر خاطی کہنا، اظہار حقیقت کے لیے ضروری ہو تو اردو میں 'خطائے اجتہادی' فارسی میں 'خطا در اجتہاد' اور عربی میں اسی بات کو 'خطاء فی الاجتہاد' کہیں گے۔ کسی مہتم بالشان خلیفہ اور امام کو محض خاطی اور غلط کار کہنا سراسر احتیاط و ادب کے خلاف ہے۔

میں یہ بات باادب سنیوں کے لیے لکھ رہا ہوں جو رسول اعظم ﷺ کا ادب نہ کریں اُن سے یہ امید رکھنا کہ وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ادب کریں گے سراسر سادہ لوحی ہے۔

یہ بات بجائے خود قابل غور وفکر ہے کہ بہت ممکن ہے کہ قاتلانِ عثمان نے حضرات علی و معاویہ رضی اللہ عنہما کو لڑانے کے لیے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا ہو اس لیے کہ قاتلوں کا گروہ باغی تھا **داعی الی النار** تھا اور میدان صفین میں موجود بھی تھا۔

مشاجرت کے بارے میں صحیح ترین نظریہ:۔

علامہ ابن خلدون 'المقدمہ' میں فرماتے ہیں:

'دراصل یہ اختلاف ایک اجتہادی اختلاف تھا اور ہر فریق اپنے اجتہاد کی روشنی میں دوسرے کو غلط کار ٹھہراتا تھا۔ اسی بناء پر ہر دو فریق آپس میں ٹکرا گئے۔ مانا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حق بجانب تھے لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی کسی باطل ارادے سے اُن کے مقابلے میں نہیں آئے۔ اُن کے پیش نظر بھی حق جوئی تھی گوانھوں نے حق کے پانے میں خطا کی۔ اسی طرح مسلمان اپنے اپنے نقطہ نظر سے حق پر جمے رہے باطل طلبی کسی میں بھی نہ تھی'۔

مزید فرماتے ہیں:

'ان بزرگوں کے اختلافات تمام تر دینی اُمور میں تھے۔ نہ کہ دنیوی معاملات میں اور ادلہ صحیحہ میں اجتہاد کرنے سے یہ اختلاف رونما ہوئے اور مجتہدوں میں جب اجتہادی اختلاف پیدا ہو اور ہم یہ مانیں کہ مسائل اجتہادیہ میں حق بہر حال ایک ہی ہوگا۔ اب جن مجتہد کی رائے حق سے مل جائے وہ مصیب ہے اور جس کی نہ ملے وہ مخطی اور چونکہ حق کی جہت متعین نہیں ہے اس لیے اصابت کا احتمال ہر مجتہد کی جانب ہو سکے گا اور کسی خاطی مجتہد کو بالیقین مخطی قرار نہیں دیا جا سکے گا اور کوئی مجتہد بھی گنہ گار اور قابل گرفت نہ ہوگا۔ اجماع اُمت اسی پر ہے۔ اگر ہم یہ کہیں کہ اجتہادی اختلاف کے وقت سب مجتہد حق پر ہوتے ہیں۔

اور ہر مجتہد باصواب ہوتا ہے تو پھر خطا اور گناہ کی نسبت کسی طرف بھی نہیں کی جا سکتی'۔

مزید فرماتے ہیں:

'حضرت علی رضی اللہ عنہ کا معاملہ یہ ہے کہ قتلِ عثمان کے وقت لوگ مختلف شہروں میں متفرق تھے اس لیے بیعتِ علی میں حاضر نہ ہو سکے اور جو لوگ حاضر تھے اُن میں کچھ نے بیعت کی اور کچھ نے توقف کیا۔ یہاں تک کہ لوگ مجتمع ہو کر کسی امام پر اتحاد و اتفاق کریں۔ جیسے حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت سعید بن زید، حضرت عبداللہ ابن عمر، حضرت اسامہ بن زید، حضرت مغیرہ بن شعبہ، حضرت عبداللہ ابن سلام، حضرت قدامہ بن مظعون، حضرت ابوسعید خدری، حضرت کعب بن عجرہ، حضرت کعب بن مالک، حضرت نعمان بن بشیر، حضرت حسان بن ثابت، حضرت مسلمہ بن مخلد، حضرت فضالہ بن عبد رضی اللہ عنہم اور ان حضرات جیسے دوسرے اکابر صحابہ اور جو لوگ مختلف شہروں میں تھے وہ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت سے ہٹ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کے قصاص میں شریک ہوئے اور ان حضرات نے معاملہ کو الجھا چھوڑ دیا۔ یہاں تک کہ کسی کو بھی والی بنانے کے لیے مسلمانوں کے درمیان شوریٰ منعقد ہو جائے۔ اُن لوگوں نے سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے قاتلینِ عثمان سے سکوت کرنے کو اُن کی طرف نرمی کرنے کا گمان کیا۔ نعوذ باللہ غفلت اور دیر کا گمان نہیں کیا۔ چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کھلم کھلا الزام دیا تو اسے فقط حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دمِ عثمان پر

سکوت ہی کی وجہ سے دیا۔

اس کے بعد یہ حضرات مختلف الرائے ہوگئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ سمجھا کہ اُن کی بیعت منعقد ہوچکی ہے اور میری خلافت پر اُن لوگوں نے مجتمع ہونے کی وجہ سے جو وطن صحابہ مدینۃ الرسول میں موجود تھے میری بیعت اُن لوگوں پر لازم آگئی جو اس سے رہ گئے ہیں اور دمِ عثمان کے مطالبے کو لوگوں کے اجتماع اور اتفاق کلمہ تک کے معرض التواء میں رکھ دیا۔

دوسرے لوگوں نے سمجھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت منعقد نہیں ہوئی کیونکہ اہل حل وعقد مختلف شہروں میں پھیلے ہوئے ہیں اور قلیل لوگ بیعتِ علی میں شریک ہوئے ہیں اور بیعت کا انعقاد اہل حل وعقد کے اتفاق پر ہوتا ہے اس کے علاوہ لوگوں کے منعقد کرنے سے یا ان میں سے چند کے منعقد کرنے سے بیعت منعقد نہیں ہوتی، ان لوگوں نے سوچا کہ اس وقت مسلمان منتشر ہیں اس لیے وہ پہلے دمِ عثمان کا مطالبہ کریں۔ اس کے بعد کسی امام پر متحد و متفق ہوتے۔ حضرت معاویہ حضرت عمرو بن العاص، حضرت اُم المومنین عائشہ صدیقہ، حضرت زبیر بن العوام، حضرت عبداللہ ابن زبیر، حضرت طلحہ، حضرت محمد بن طلحہ، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت سعید بن زید، حضرت نعمان بن بشیر، حضرت معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہم اسی خیال کی طرف گئے اور جو صحابہ ان حضرات کی رائے پر تھے مدینے میں رہتے ہوئے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت میں شریک نہ ہوئے وہ حضرات بھی اسی طرف گئے'۔

مزید فرماتے ہیں:

'یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ حضرت علی ومعاویہ رضی اللہ عنہما کے جھگڑے میں معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف خطا کی نسبت نہیں کرسکتے، کیونکہ اجتہاد اُن کی طرف بھی تھا اور اجتہاد بالاجماع خطا وثواب ہر دو کو احتمال رکھتا ہے'۔

چند سطر بعد ....

'جب حقیقت یہ ٹھہری تو یہ بہت احتیاط کا مقام ہے۔ دل وزبان کو قابو میں رکھیے۔ ایسا نہ ہو کہ ان بزرگوں کے افعال کے بارے میں کوئی بدظنی کا خیال یا شک دل میں کھٹکے یا اُن کی شان میں کوئی خلافِ شان بات زبان پر آجائے۔ بلکہ جہاں تک ہوسکے اُن کے افعال کی توجیہ بہتر کرنی چاہئے اور وہ سب لوگوں میں اس حسن ظن کے زیادہ حقدار ہیں کیونکہ انہوں نے جو کچھ بھی اختلاف کیا وہ دلیل وحجت سے کیا اور اُن کا آپس کا قتال جہاد کی شکل میں تھا۔ اور محض حق کی حمایت میں'۔

حاصل کلام ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں:

'یہی وہ نقطہ خیال ہے جو تمام سلف صالحین وصحابہ وتابعین کے افعال کے بارے میں ہمیں قائم رکھنا چاہئے۔ یہی بزرگ اُمت کے برگزیدہ و چیدہ اشخاص شمار ہوتے ہیں اگر انہیں کو ہم اپنے اعتراضات کا نشانہ بنائیں تو پھر اُمت میں عدالت کس میں ملے گی'۔ (مقدمہ ابن خلدون ص ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۸، ۲۴۹)

تحکیم:

معرکہ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اتباع کرتے ہوئے قرآن کو نیزوں پر رکھ کر لہرادینے سے جو ابر رحمت برسا اُس نے تمام جنگی شعلوں کو سرد کردیا۔ نتیجتاً صلح و

مصالحت کے امکانات روشن ہونے لگے جو آگے چل کر تحکیم کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔

انتہائی غور و خوض کے بعد طے یہ ہوا کہ فریقین اپنا اپنا ایک نمائندہ منتخب کریں جو ثالثی کے فرائض نہایت دیانتداری سے انجام دے۔ چنانچہ سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی جانب سے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا انتخاب عمل میں آیا۔

کچھ لوگوں کا کہنا کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو منتخب کر کے معاذ اللہ فاش غلطی کی۔ ایسے سادہ لوح آدمی کو فاتح مصر عمرو بن العاص کے مقابلہ میں نمائندہ بنانا بڑی نادانی تھی۔ العیاذ باللہ۔

مذکورہ غیر علمی اعتراض سے نہ صرف مولائے مومنین حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی اہانت ہوتی ہے بلکہ اس میں محمد عربی سید عالم ﷺ اور اُن کے وفادار خلفاء کی بیمثال شخصیت مجروح ہوتی ہے کہ معاذ اللہ سرکار دو عالم ﷺ اور اُن کے جانثار خلفاء ملکی نظم و نسق اور سیاسی و مذہبی گرہوں کو کھولنے کے لیے سادہ لوحوں کو چنا کرتے تھے۔ حالانکہ احادیث کے مقدس ذخیرے تو یہ بتا رہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو یمن کا والی بنایا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی کو مدد کے لیے اُن کے ماتحت رکھا۔ امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انھیں قضاۃ کا منصب جلیلہ عطا کیا۔ قاضی بننے کا اہل تو وہی ہو سکتا ہے جو دقیقہ رس، نکتہ سنج اور معاملہ فہم ہو۔ اور پھر امیر المومنین حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ نے انھیں کوفہ کا گورنر مقرر کیا۔ کیا سید المرسلین اور اُن کے خلفاء راشدین کو احساس نہ ہو سکا کہ معاذ اللہ وہ ایک سادہ لوح شخص سے کام لے رہے ہیں جسے عملی سیاست میں حصہ لینے کا شعور نہیں۔

ان حقائق کی روشنی میں ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اگر ایک طرف حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو فہم و فراست میں ید طولیٰ حاصل تھا تو دوسری طرف حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ میں بھی ذکاوت اور ذہانت، اور تدبر و سیاست بدرجہ اتم موجود تھی۔

بہر حال دونوں ثالثوں نے مسئلہ زیر بحث پر گفتگو شروع کی۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے پہلے اُمت مسلمہ کے افسوسناک اختلافات اور اُس کے مہلک اثرات کا ذکر کیا اور اس کے بعد کہا۔

اے عمرو! افراتفری بہت ہو چکی اب کوئی ایسی تدبیر ہونی چاہئے کہ مسلمان آپس میں گلے مل جائیں۔

عمرو بن العاص: مجھے آپ کی رائے سے بالکل اتفاق ہے۔ بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ ہمارے درمیان طے ہوتا جائے کاتب اسے لکھتا جائے۔ کیونکہ جو بات تحریر میں آ جاتی ہے اس میں بھول چوک نہیں ہوتی۔

(حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اس تجویز سے اتفاق کیا اور کاتب کو بلا کر ہدایت کی کہ وہی الفاظ قلم بند کرو جس پر فریقین متفق ہو جائیں)۔

ابوموسیٰ اور عمرو بن العاص 'کاتب' سے: لکھو!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ وہ فیصلہ ہے جس پر ابوموسیٰ عبداللہ بن قیس اور عمرو بن العاص باہم متفق ہوئے ہیں۔ ہم دونوں اقرار کرتے ہیں کہ خدائے واحد کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور نہ کوئی اس کا شریک ہے اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ خدا نے انھیں ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تا کہ وہ اس کی حقانیت کے سبب تمام ادیان پر غالب کر دیں اگرچہ مشرکین کو ناگوار ہو'۔

عمرو بن العاص: ہم دونوں یہ اقرار کرتے ہیں کہ ابوبکر، رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ تھے۔ انھوں نے تا زندگی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پر عمل کیا اور اپنے فرائض کو صحیح طور پر انجام دیا۔

ابوموسیٰ اشعری: (کاتب سے) بجا و درست لکھو۔

عمرو بن العاص: ہم دونوں یہ بھی اقرار کرتے ہیں کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بھی رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ تھے انھوں نے بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے طرز عمل کو برقرار رکھا۔

ابوموسیٰ اشعری: (کاتب سے) یہ بھی صحیح لکھو !

عمرو بن العاص: ہم دونوں یہ بھی اقرار کرتے ہیں کہ عمر کے بعد عثمان مسلمانوں کے اتفاق اور صحابہ کے مشورہ اور اُن کی رضامندی سے منصبِ خلافت پر فائز ہوئے اور وہ سچے اور پکے مسلمان تھے۔

ابوموسیٰ اشعری: یہ مسئلہ اس وقت زیر بحث نہیں ہے۔

عمرو بن العاص: اگر آپ اُن کو مومن تسلیم نہیں کرتے تو پھر کیا وہ کافر تھے؟

ابوموسیٰ اشعری: (کاتب سے) اچھا لکھو!

عمرو بن العاص: اب دو ہی باتیں ہیں یا تو انھیں ظالم ہونے کی حیثیت سے قتل کیا گیا یا مظلوم ہونے کی حیثیت سے قتل کیا گیا۔

ابوموسیٰ اشعری: انھیں مظلوم ہونے کی حیثیت سے قتل کیا گیا۔

عمرو بن العاص: جسے مظلوماً قتل کیا گیا ہو خدا نے اس کے ولی کو قاتلوں سے طلبِ قصاص کا حق دیا ہے۔

ابوموسیٰ اشعری: ہاں، دیا ہے۔

عمرو بن العاص: آپ جانتے ہیں کہ معاویہ، عثمان کے ولی اقرب ہیں۔

ابوموسیٰ اشعری: یہ بھی درست ہے۔

عمرو بن العاص: تو اس صورت میں معاویہ کو حق ہے کہ قاتلین عثمان کا مطالبہ کریں، وہ جو بھی ہوں، جہاں بھی ہوں۔ اس کام میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں۔

ابوموسیٰ اشعری: یہ بھی ٹھیک ہے۔

عمرو بن العاص: (کاتب سے) یہ سب باتیں لکھ لو۔

ابوموسیٰ اشعری: اے عمرو! یہ نزاع اُمت کے لیے بہت مصیبت ہے کوئی ایسی تجویز سوچیں کہ اس مصیبت سے چھٹکارا ہو۔ اور ملت کی بہبودی کی صورت پیدا ہو۔

عمرو بن العاص: ایسی تجویز کیا ہو سکتی ہے۔

ابوموسیٰ اشعری: مجھے یقین ہے کہ اہل عراق کبھی معاویہ کو پسند نہ کریں گے اور اہل شام بھی علی سے راضی نہ ہوں گے لہٰذا دونوں کو نظر انداز کر کے عبداللہ ابن عمر کو خلیفہ بنایا جائے۔

عمرو بن العاص: کیا عبداللہ ابن عمر اس منصب کو قبول کریں گے۔

ابوموسیٰ اشعری: امید تو ہے۔ بشرط یہ کہ سب مسلمان بالاتفاق اُن سے درخواست کریں۔

عمرو بن العاص: سعد بن ابی وقاص کو کیوں نہ منتخب کیا جائے۔

ابوموسیٰ اشعری: وہ موزوں نہیں ہیں۔

اس کے بعد حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اور متعدد بزرگوں کے نام لیے لیکن حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ انکار کرتے رہے اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے علاوہ، کسی اور کے لیے رضامند نہ ہوئے۔

یہاں تک آ کر گفتگو کا سلسلہ ختم ہوگیا اور جو کچھ طے پایا اس پر فریقین کے دستخط ثبت ہوگئے ۔ (مروج الذہب ج ۲ ص ۴۰۶)

اس فیصلہ کا خلاصہ یہ نکلا کہ سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی معزولیت پر دونوں متفق ہوگئے لیکن یہ طے نہ ہوسکا کہ یہ منصب کس کے سپرد ہو۔ لہٰذا یہ کام اُمت کی رائے عامہ کے سپرد کیا گیا ۔ جو تجویز قلم بند ہوئی تھی وہ مجمع عام میں پڑھ کر سنادی گئی اور فریقین اپنے مقامات کو روانہ ہوگئے ۔

ہماری پیش کردہ رودادِ تحکیم مروج الذہب سے ماخوذ ہے، دوسرے مورخین کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ ثالثوں میں جو گفتگو ہوئی اس کے خلاف مجمع عام میں اعلان کیا گیا۔ جب حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے یہ اعلان کیا کہ:

'ہم علی و معاویہ (رضی اللہ عنہما) دونوں کو معزول کرتے ہیں اور آئندہ خلیفہ کو منتخب کرنے کا حق اُمت کے سپرد کرتے ہیں'۔

تو حضرت عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہ) نے یہ اعلان کیا:

'میں علی (رضی اللہ عنہ) کی معزولیت پر متفق ہوں لیکن معاویہ (رضی اللہ عنہ) کو میں معزول نہیں کرتا'۔

اس اعلان سے مجمع میں سخت برہمی پیدا ہوگئی اور ثالثوں میں معاذ اللہ گالی گلوچ تک کی نوبت آ گئی۔

فی الواقع اس طرح کی ساری باتیں بوجوہ ذیل ناقابل قبول ہیں:

۱- ثالثی نامہ کی کتابت اور اس پر باقاعدہ شہادتوں کا ذکر سارے مورخین نے کیا۔ تعجب ہے کہ ثالثی نامہ تو قید تحریر میں لایا جائے اور اصل فیصلہ زبانی ہو۔

۲- حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو (معاذ اللہ) اس دروغ بیانی سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوسکتا تھا کیونکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو برقرار رکھنا، اُن کی اپنی واحد رائے قرار پاتی اور طے شدہ شرائط کی رُو سے صرف بین الحکمین متفقہ فیصلے ہی قابل قبول ہوسکتے تھے نہ کہ ایک حکم کی تنہا رائے ۔

۳- اگر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ تحریر کے خلاف بیان دیتے تو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اس کی تردید تحریر پڑھ کر بہ آسانی کردیتے ۔

۴- اس روایت میں حکمین کی طرف چند غیر مہذب اور ناشائستہ الفاظ منسوب کئے گئے ہیں یعنی یہ کہ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے ایک دوسرے کو گدھا اور کتا بنایا اور بُرا بھلا کہا۔

ان برگزیدہ ہستیوں کی طرف ان کلمات کی نسبت کو دل گوارہ نہیں کرتا کیونکہ یہ ان حضرات کی مجموعی زندگی کے خلاف ہیں۔

۵- یہ معاہدہ ان قرشی عربوں نے کیا تھا جو عہد جاہلیت میں بھی عہد شکنی کو موجب ننگ و عار سمجھتے تھے اور عہد کی پاسداری میں تن من دھن کی بازی لگادیا کرتے تھے تو پھر کیسے یقین کرلیا جائے کہ سید کائنات ﷺ کے چنندہ اصحاب معاذ اللہ جاہلیت سے بھی گئے گذرے ہوگئے ۔

۶- سرورِ عالم ﷺ کی زبان سے یہ ربانی پیغام سننے والے اصحاب رسول :

﴿اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ﴾ (المائدہ/۱) عہد کی پابندی کرو۔

اور جن کی صفت قرآن نے یہ بیان کی ہو :

﴿وَعَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ﴾ (معارج/۳۲) جو اپنے عہد کی پاسداری کرتے ہیں۔

اس صورت میں ناممکن ہے کہ باوفا ثالثوں نے حضرت علی و معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کیے ہوئے عہد کی خلاف ورزی کی ہوگی۔

۷- مسعودی صاحب! مروج الذہب نے جہاں اس کا اعتراف کیا ہے کہ اس تک فیصلے کے تحریری ہونے کی روایت پہنچی ہے وہیں اس نے یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ میرے پاس بھی ایسی روایت ہے کہ جس میں تصریح ہے زبانی کوئی تقریر نہیں ہوئی۔ (مروج الذہب ج۶ ص ۴۱۱)

۸- اس روایت کے علاوہ 'درایت' کا بھی یہ تقاضا ہے کہ جب ثالثوں کا تقرر بذریعہ تحریر ہوا۔ اور فریقین نے اپنی رضامندی اور فیصلے کی پابندی کا اظہار و اقرار تحریری طور پر کیا تو لازماً فیصلہ بھی تحریری ہونا چاہیے۔ تاکہ کسی بھی بھول چوک اور تاویل و توجیہ کا امکان جو موجب فساد ہو پیدا ہی نہ ہو سکے۔

اب ظاہر ہے کہ ثالثوں نے اسی تحریری دستاویز کو بھری بزم میں پڑھ کر سنایا ہوگا۔ چنانچہ سامعین فیصلہ سنتے ہی سمجھ جاتے ہیں کہ اب از سرنو ایک خلیفہ کا انتخاب عمل میں آئے گا۔

یہ صحیح ہے کہ ثالثوں نے جس اجتماع عام میں زیر بحث مسئلے کا تصفیہ کا فیصلہ کیا تھا وہ اجتماع نہ ہو سکا۔ اس سے پہلے ہی سبائیوں اور خارجیوں کی سیہ کاریوں، ریشہ دوانیوں اور مفسدہ پردازیوں نے پرامن ماحول کو انتشار میں بدل دیا۔ حالات پے در پے کروٹیں لینے لگے اور کسی نئے خلیفہ کا انتخاب نہ ہو سکا لیکن نتیجہ بہر حال وہی نکلا جو جمہور صحابہ چاہتے تھے کہ 'مومن کی تلوار مومن کا گلا نہ کاٹے'۔

اگر دونوں ثالث امن کی اس فضا کو قائم کرنے میں ناکامیاب ہوگئے ہوتے تو یہ مثبت نتیجہ برآمد نہ ہوتا جو ہوا کہ خوارج ذوالفقارِ علی اور قاتلانِ عثمان تیغِ معاویہ سے کیفر کردار کو پہنچ رہے تھے جو علی و معاویہ رضی اللہ عنہما کے ذہنی اتحاد کا نتیجہ و ثمرہ تھا۔

شہادتِ سیدنا علی رضی اللہ عنہ:-

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ جو اپنے عہد میں 'افضل الصحابہ' اور اقلیمِ ولایت کے تاجدار تھے۔ اسلام کے ستون اور اُمت کے لیے باعث سکون تھے۔ ابن ملجم نے اپنی باغی تلوار سے اُمت کو اس دولتِ بے پایاں سے محروم کر دیا۔

شہادت سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے تاریخ کا دھارا ہی بدل دیا۔ کیونکہ ایسی جامع الصفات شخصیت اب پوری اسلامی دُنیا میں نہ تھی۔ وہ کون تھا جس نے عہد مرتضوی میں خرمن علویہ سے خوشہ چینی نہ کی ہو۔ وہ کون تھا جس نے بارگاہِ علویہ میں عقیدت و محبت کے پھول نہ نثار کیے ہوں۔

مولائے مومنین کی خبرِ شہادت سنتے ہی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بے اختیار رو پڑے۔ آپ کی اہلیہ فاختہ نے عرض کیا کہ آپ کل تک مخالفت کر رہے تھے اور آج غمِ علی میں رو رہے ہیں تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آج ہم نے ایسے شخص کو کھو دیا جو فضل و کمال تقویٰ و طہارت اور علم و عمل میں بے نظیر اور لاثانی تھا۔

ضرار صدائی، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہم نشینوں میں سے تھے۔ ایک دن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی نظر اُن پر پڑی تو فرمایا، ضرار! تم علی (رضی اللہ عنہ) کے اوصاف بیان کرو۔ یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے غیر معمولی اصرار کا ہی نتیجہ تھا کہ ضرار نے انکار کو قبول نہ کیا۔ بالآخر انہوں نے یوں بیان شروع کیا۔

'حضرت نہایت بلند اور قوی تھے۔ نپی تلی بات کہتے تھے۔ عادلانہ فیصلے کرتے تھے۔ سراپا علم، بلکہ ہر سمت سے علم کا چشمہ پھوٹا ہوا تھا۔ حکمت کا دریا موجزن تھا دُنیا اور اس کی دل فریبیوں سے یک گونہ متنفر تھا۔ رات کی تیرگی اور وحشت سے انتہائی انس تھا آخرت

کے لیے بہت ہی فکر مند بلکہ ہر وقت اسی فکر میں ڈوبے ہوئے رہتے تھے۔ لباس کی سادگی دیدنی تھی کھانا تکلفات سے یک قلم خالی۔ سادہ اور موٹا جھوٹا ہماری طرح رہتے تھے۔ کچھ امتیاز نہیں تھا۔ جب ہم کچھ پوچھتے تو اس کا جواب دیتے ورنہ خاموش رہتے۔ باوجودیکہ وہ ہم سے محبت کرتے تھے اور ہم ان سے۔ وہ ہم کو قریب رکھتے تھے اور خود ہمارے قریب رہتے تھے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپ کا رُعب داب اور آپ کی ہیبت و وجاہت ہمارے دِلوں پر اس طرح مستولی تھی کہ ہم آپ سے بات نہ کر سکتے تھے متدین حضرات کی عظمت اُن کے قلب میں تھی اور غرباء کو ہمیشہ اپنا مقرب بناتے تھے اُن کے سامنے طاقتور ناحق میں طمع نہیں کر سکتا تھا اور ضعیف و ناتوان عدل و انصاف سے کبھی مایوس نہیں ہوسکتا تھا۔ اکثر مواقع پر میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ کاروانِ شب رخت سفر باندھنے کو ہے چاند اپنے سفر کی منزلیں طے کر کے منزل مقصود کی جانب رینگتا ہوا جا رہا ہے۔ جھلملاتے تارے چراغ سحر کی طرح اپنے آخری سانسوں پر ہیں اور زاہدانِ شب زندہ دار دعائے نیم شی کے لیے اپنے نرم و نازک بستروں پر کروٹیں لے رہے ہیں لیکن وہ اپنی داڑھی مٹھی میں لیے مارگزیدہ اور عاشق خواب نادیدہ کی طرح بیقرار اور اشکبار اور دُنیا کو مخاطب کرتے ہوئے فرما رہے ہیں 'اے دُنیا، اے فریب دینے والی دُنیا' یہ فریب اور کو دے۔ تو مجھ سے اپنی چاہت اور انسیت کا اظہار کر رہی ہے اور اشتیاق سے میری جانب لپک رہی ہے۔ حالانکہ میں نے تجھے طلاقیں دے دی ہیں اور تجھے ہمیشہ کے لیے اپنے اوپر حرام قرار دے لیا ہے۔ میں کبھی تیری طرف آنے والا نہیں۔ تیری عمر قلیل اور تیرا مقصد ذلیل لیکن راستہ اور سفر طویل اور زادِراہ بالکل حقیر و قصیر ہے۔'

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ سننا تھا کہ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ آپ کی

آنکھوں سے آنسوؤں کی ندیاں رواں ہیں اور آپ کی زبان پر یہ الفاظ ہیں:

'اللہ تعالیٰ 'ابوالحسن' (حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے) پر رحم فرمائے۔ واللہ وہ ایسے ہی تھے، وہ ایسے ہی تھے'۔ (روضۃ النظرہ ج۲ ص۲۱۲ و معاویہ ج۱ ص۲۹۰ تا ۲۹۲)

عہدِ امام حسن رضی اللہ عنہ :-

سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر جب ابن ملجم نے حملہ کیا تو زہر آلود تلوار کے اثرات پورے جسم اطہر میں پھیل گئے۔ جب زندگی کی امید کا ہر تار دھیرے دھیرے ٹوٹنے لگا تو لوگوں نے عرض کیا کہ ہم آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے 'حسن بن علی' سے بیعت کر لیں فرمایا:

نعم ان رضیتم۔ ہاں اگر تم سب راضی ہو تو۔

علامہ ابن الاثیر نے جواب کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

وما امرکم ولا نھاکم۔ نہ میں حکم دیتا ہوں اور نہ ہی اس سے روکتا ہوں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ جواب تاریخ طبری جلد ۶ صفحہ ۸۵ اور مروج الذہب جلد ۲ صفحہ ۴۲ پر بھی دیکھا جاسکتا ہے۔

اس ارشاد مرتضوی سے معلوم ہوا کہ 'باپ کے بعد بیٹے' کا خلیفہ ہونا نہ شرعاً معیوب ہے اور نہ ہی خالص سنت قیصر و کسریٰ۔ ورنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ یقیناً منع کرتے کہ باپ کے بعد بیٹا خلیفہ نہیں ہوسکتا۔

بہر حال امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی بیعت شروع ہوئی اور اس طرح اُمت نے اس بات کی بنیاد ڈال دی کہ باپ کے بعد بیٹا بھی خلیفۃ المسلمین ہوسکتا ہے۔

بیعت خلافت کے بعد امیر المومنین حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ نے جو پہلا خطبہ دیا

اُسے سن کر سامعین نے ہنگامہ برپا کر دیا اور آپس میں متفرق ہونے لگے۔ ایک جماعت کہنے لگی کہ 'حسن بھی اپنے والد کی طرح (معاذ اللہ) کافر ہو گئے'۔

اس ناپاک گروہ نے امیر المومنین حضرت حسن رضی اللہ عنہ پر حملہ کیا۔ خیمہ کا سامان لوٹ لیا آپ کے پیروں کے نیچے سے مصلیٰ اور کاندھے سے چادر کھینچ لی۔ بالآخر امیر المومنین کی پکار پر ربیعہ اور ہمدان کے قبیلے والے دوڑے اور مفسدین کو کوفہ مار بھگایا۔

اس واقعہ سے امیر المومنین حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کو یہ یقین ہو گیا کہ اہل کوفہ اور دیگر نام نہاد شیعانِ علی اپنی سرشت سے مجبور ہیں وہ خون خرابہ اور قتل و غارت گری کے ہی خوگر ہیں ان سب سے نجات حاصل کرنا ضروری ہے۔ دوسری طرف رہ رہ کر انھیں اپنے والد بزرگوار امیر المومنین حضرت سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی نصیحتیں یاد آ رہی تھیں۔

لا تکرهو امارة معاویه خلافت معاویہ سے تم کراہت نہ کرنا۔

نیز

ان معاویه سیلی الامیر معاویہ عنقریب امیر المومنین ہوں گے۔

نتیجتاً قلب امام میں بتدریج جذبۂ صلح و آشتی گھر کرتا گیا اور پھر امام اس نبوی ارشاد سے غالباً ناواقف نہ رہے ہوں گے کہ لڑ بھڑ کر معاویہ پر غلبہ حاصل نہیں کیا جا سکتا (**ان معاویه لا یصارع احد الاصرع معاویه**[1]) چنانچہ امیر المومنین حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما صلح کی تیاریوں میں گویا مصروف ہو گئے۔

---

[1] کنز العمال ج ۷ ص ۸۷۔

صلح حسن رضی اللہ عنہ:- اس کی تفصیل ناقابل اعتماد تاریخی ذخیروں سے بیان کرنے کے بجائے صحیح بخاری سے نقل کرتا ہوں جو کتب الٰہیہ کے بعد اپنی صحت کی بناء پر ایک اعلیٰ درجہ کی کتاب ہے اختصار کے پیش نظر صرف ترجمہ نذر ناظرین ہے۔ امام بخاری حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

'واللہ حسن بن علی (رضی اللہ عنہما)' معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے مقابلہ میں پہاڑوں کی طرح فوجیں لے کر آئے۔ پس عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہ) نے کہا کہ میں تو یہ فوجیں ایسی دیکھ رہا ہوں جو اپنے سامنے والوں کو جب تک مار نہ لیں پیٹھ نہ پھیریں گی۔ معاویہ (رضی اللہ عنہ) نے اُن سے کہا۔ اگر انھوں نے اُن کو مارا تو اُن کے ان اُمور کا کون ذمہ دار ہوگا۔ پس انھوں نے قریش کے دو آدمی جو بنی عبد شمس کے تھے 'عبدالرحمٰن بن سمرہ' و عبداللہ بن عامر کو پیغام صلح دے کر معاویہ (رضی اللہ عنہ) نے حسن (رضی اللہ عنہ) کے پاس بھیجا۔ دونوں گئے اور اُن سے گفتگو میں طلب گار صلح ہوئے۔ حسن (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا ہم عبدالمطلب کی اولاد ہیں اور ہمیں مال خرچ کرنے کی عادت ہو گئی ہے۔ اور ہمارا گروہ خون خرابہ کرنے میں طاق ہے۔ ان دونوں نے کہا کہ معاویہ (رضی اللہ عنہ) آپ کو اتنا اتنا روپیہ دیں گے اور آپ سے صلح چاہتے ہیں آپ جو چاہیں اُسے منظور کریں۔ آپ نے فرمایا اس کا ذمہ دار کون ہے؟ دونوں نے کہا' ہم ذمہ دار ہیں' حسن بن علی (رضی اللہ عنہما) نے جو کچھ کہا اس کے جواب میں دونوں نے کہا کہ ہم ذمہ دار ہیں۔ پس آپ نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی۔ حسن بصری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے ابوبکرہ (صحابی رسول) سے سنا' وہ کہتے تھے کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو منبر پر دیکھا اس حال میں کہ حسن ابن علی (رضی اللہ عنہما) ان کے پہلو میں تھے آپ کبھی لوگوں کی طرف منہ کرتے اور کبھی حسن ابن علی (رضی اللہ عنہما) کی

طرف اور فرماتے تھے کہ میرا بیٹا سید ہے اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دو عظیم گروہوں کے درمیان صلح کردے گا'۔ (فتح الباری شرح بخاری ج ۱۳ص ۵۴)

صحیح بخاری کی اس روایت کا پہلا جملہ قابل غور ہے کہ واللہ حسن بن علی (رضی اللہ عنہما)' معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے مقابلہ میں پہاڑوں کی طرح فوجیں لے کر آئے (**استقبل والله الحسن بن علی معاویه بكتائب امثال الجبال**) لہٰذا یہ کہنا غلط ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ پر حملہ کیا۔ شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی اس حدیث کی شرح فرماتے ہوئے محدث ابن بطال کا قول نقل فرماتے ہیں:

هذا يدل على ان معاويه وانه عرض على الحسن المال ورغبه فيه وحثه على رفع السيف وذكره ما وعده به جده صلى الله عليه وسلم من سيادته فى الصلاح [۱]

یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ معاویہ ہی صلح پر راغب تھے اور انھوں نے حسن ابن علی پر مال کی پیش کش کی اور اس کے قبول کرنے کی ترغیب دی اور تلوار روکنے کو کہا آپ کو اپنے ناناﷺ کی وہ پیش گوئی یاد دلائی جس میں اُن کی سیادت میں اصلاح کے متعلق فرمایا گیا تھا۔

مزید فرماتے ہیں:

فيه فضيلة الاصلاح بين الناس ولا سيما فى حقن وماء المسلمين ودلالة على رأفة معاوية بالرعية وشفقته على المسلمين وقوة نظره فى تدبير الملك ونظر فى العواقب [۲]

اس صلح سے اصلاح بین الناس بالخصوص مسلمانوں کی خون ریزی کو روکنے کی فضیلت ہے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا یہ فعل اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ معاویہ اپنی رعیت پر بڑے نرم دل اور مسلمانوں پر بہت شفیق تھے۔ تدبیر مملکت اور معاملات کے عواقب پر ان کی نگاہ گڑی رہتی تھی۔

... ، [۲] فتح الباری شرح بخاری ج ۱۳ص ۵۴۔

محقق علی الاطلاق علامہ الشیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اسی حدیث کی تشریح کرتے ہوئے مندرجہ ذیل جملے بھی سپرد قلم کرتے ہیں:

وصلح الحسن مع ماويه واستقرار دوامه على ذلك دليل على صحه امارته معاويه .

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا صلح کرنا اور استقرار دوام فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ امارت معاویہ صحیح ودرست ہے۔

حضرت شیخ محقق علی الاطلاق نے ایسا ہی مشکوٰۃ کی فارسی شرح اشعۃ اللمعات جلد ۴ صفحہ ۶۸۸ پر بھی تحریر فرمایا ہے۔

شرائط صلح:-

۱- فی الوقت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے ہیں لیکن اُن کے بعد امام حسن رضی اللہ عنہ خلیفۃ المومنین ہوں گے۔
۲- باشندگانِ مدینہ، حجاز اور عراق سے مزید کوئی ٹیکس وغیرہ نہیں لیا جائے گا بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانے سے جو دستور چلا آرہا ہے وہی برقرار رہے گا۔
۳- امام حسن رضی اللہ عنہ کے ذمّی قرض کی ادائیگی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کریں گے۔ [۱]
۴- اہواز کا خراج امام حسن رضی اللہ عنہ کو دیا جائے گا۔
۵- امام حسین رضی اللہ عنہ کو بیس لاکھ درہم سالانہ وظیفہ دیا جائے۔
۶- عطیات اور صلات میں بنی ہاشم کا حق دوسروں سے فائق سمجھا جائے۔ [۲]

[۱] تاریخ الخلفاء نفیس اکیڈیمی کراچی ص ۲۲۰، [۲] تاریخ ملت حصہ دوم ص ۳۹۳۔

بیعت معاویہ رضی اللہ عنہ :- مشہور شیعی محدث و مورخ ملا باقر مجلسی نے لکھا ہے کہ امیر المومنین حضرت حسن المجتبیٰ رضی اللہ عنہ نے نہ صرف خلافت سے دست برداری کا اعلان کیا بلکہ مجمع عام میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ملا موصوف امام سیدنا جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ حضرات حسنین شہیدین رضی اللہ عنہما جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے ملنے گئے تو

فاذن لهم معاويه واعدلهم الخطباء فقال يا حسن قم فبائع فتام فبايع ثم قال للحسين قم فبايع فتام فبايع .

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے انھیں آنے کی اجازت دے دی اور اُن کی عزت افزائی میں خطیبوں کو بلایا پس امام حسن رضی اللہ عنہ سے کہا اٹھئے اور بیعت کیجئے وہ کھڑے ہوکر بیعت کی پھر امام حسین رضی اللہ عنہ نے بھی کھڑے ہوکر بیعت کی۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی بیعت اور صلح کے متعلق امام حسین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اما اخی فارجوا ان یکون اللہ قد وسیده فیماباتی۔

میرے بھائی حسن کے بارے میں مجھے امید ہے کہ اللہ نے انکو توفیق دی اور درست راہ دکھائی۔

جب کوفیوں نے مسلسل اصرار کرنا شروع کر دیا تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

انا قد بالعیاذ وعاهدنا ولا سبیل الی نقض بیعتنا۔

ہم معاویہ سے بیعت کر کے عہد کر چکے ہیں اور ہماری بیعت کے توڑنے کی سبیل نہیں ہے

ایک بار امیر المومنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بڑے انشراح اور وثوق واعتماد کے ساتھ مروان ابن الحکم کو لکھا:

لا تعرض للحسين في شيئ فقد بايعنا وليس بناقص بعتنا .

تم کسی معاملہ میں بھی حسین سے چھیڑ نہ کرنا کیونکہ انھوں نے ہماری بیعت کرلی اور وہ ہماری بیعت توڑنے والے نہیں ہیں۔

الحاصل بیعت حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بعد پوری اُمت کی باگ دوڑ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں آ گئی۔ اور مدت دراز سے پرورش پانے والا انتشار و افتراق یک بیک اتحاد و اتفاق میں بدل گیا اور عہد خلفائے ثلاثہ کی طرح کفار و مشرکین کیفر کردار تک پہنچائے جانے لگے۔ مسلمان مامون و محفوظ زندگی بسر کرنے لگے۔ فتوحات اسلامیہ کے بند دروازے کھل گئے۔ اس دن کو غیر معمولی تاریخی اور سیاسی اہمیت حاصل ہے۔ اس دن انقلاب برپا ہوا تھا جس نے مومنین کے ٹوٹے ہوئے بندھنوں کو جوڑ دیا اور مفسدین کے سارے عزائم اور منصوبوں کو خاک میں ملا دیا اس لیے اس دن کو تاریخی بولی میں 'عام الجماعت' کہتے ہیں۔

بحث خلافت :-

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیاسی زندگی پیش کرتے ہوئے 'مؤلف' لکھتا ہے۔

'نبی ﷺ اگر واقعی آخری نبی ہیں اور آپ کے بعد کوئی ہادی نہیں آئے گا۔ اگر قرآن مجید آخری کتاب ہے اور اب کوئی ہدایت نامہ خدا کی طرف سے نازل نہیں ہوگا۔ اگر خدا کا وعدہ سچا ہے کہ غلبہ اسے اور اس کے رسولوں کو ہوگا اگر اس کا یہ فرمان درست ہے کہ نبی ﷺ کی برپا کردہ اُمت بہترین جماعت ہے اور تمام عالم انسانیت کے لیے نمونہ تو ہمیں یہ بھی یقین رکھنا ہوگا کہ آنحضرت ﷺ نے کوئی متعین دستور چھوڑا ہوتا یا کسی شخص کو اپنے بعد نامزد کیا ہوتا یا کسی اعتبار سے اُمت کو حدودِ الٰہی کے علاوہ پابند کر گئے ہوتے تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

جنھوں نے جان و مال قربان کر کے دین قائم کیا تھا اور سخت سے سخت آزمائش میں گزر کر اُسے برپا رکھا تھا وہ ہرگز اس راہ سے نہ ہٹتے ، بلکہ سوائے اس طریقۂ کار کے کوئی دوسرا طریقہ برداشت نہ کرتے اور نہ کسی بدعت پر راضی ہوتے ، اُن کی تمام زندگی قربانیوں میں گزری، بڑھاپے میں بھی جہاد فی سبیل اللہ کے لیے نکل کھڑے ہوتے تھے۔ آسمان وزمین نے یہ منظر دیکھا ہے کہ بیٹا اپنے جانے پر مصر ہے اور باپ اپنے جانے پر، باپ کی رائے غالب رہتی ہے۔ خود گھوڑے کی پیٹھ پر نہیں بیٹھ سکتے تھے۔ دوسرے سوار کراتے ہیں اور یوں میدانِ کارزار میں جا کودتے ہیں۔ ایسے لوگ آنحضرت ﷺ کے فرمان سے اور آپ کے منشاء سے کیسے ہٹ سکتے تھے۔ انھیں کیسے برداشت ہوتی کہ اُمت کی زمام قیادت جاہلیت کے ہاتھ میں چلی جائے یا گاڑی پٹری سے اُتر جائے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ صحابہ کرام نے امیر المومنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تک پانچ خلفاء کو زمام قیادت سپرد کی اور خلیفہ کے برسر اقتدار آنے کا طریقہ مختلف رہا۔ گویا صحابہ کے نزدیک اگر کسی چیز پر اتفاق اور اجماع تھا تو اس پر کہ تبدیلی ہو اور احوال کے مطابق سیاست کی تشکیل کی جائے اور اُن کا اجماع اس پر تھا کہ اسلام کا سیاسی نظام متعین نہیں ہے بلکہ اُمت کے منشاء پر اس کے قیام کا انحصار ہے۔

سیدنا صدیق اکبر خلیفۂ رسول ﷺ کی بیعت ایک محدود حلقہ میں ہوئی تھی جو تین مہاجروں کے علاوہ انصار کے ایک غیر نمائندہ اجلاس پر مشتمل تھا۔ اُمت سے قطعاً استصواب (یعنی مشورہ) نہیں کیا گیا۔ لیکن چونکہ یہ بیعت ہوئی تھی ایسے شخص سے جو اگر خلیفہ نہ ہوتا تب بھی صدیق اکبر اور ثانی اثنین (دو کا دوسرا) ہی رہتا اور نبی ﷺ کے بعد سب سے بڑا شخص سمجھا جاتا۔ آپ کی بیعت مکمل ہوگئی کیونکہ طبعاً سب کی نگاہیں آپ ہی کی طرف اٹھتی تھیں۔

حضرت فاروق اعظم رضوان اللہ علیہ کا تو قطعاً انتخاب ہی نہیں ہوا۔ بلکہ حضرت خلیفۂ رسول ﷺ نے محض اپنی مرضی سے اور صرف اپنی صوابدید کے مطابق انھیں نامزد کیا۔ روایتیں ہیں کہ آپ نے فلاں صاحب اور فلاں صاحب سے مشورہ کیا تھا۔ لیکن سرکاری طور پر اس مشورہ کی کوئی حیثیت نہیں۔ اول تو آپ کا فرمان صراحت کر رہا ہے کہ وہ تقرر محض آپ کی اپنی منشاء سے ہوا اور اس میں ادنیٰ ترین اشارہ بھی ان مشوروں کے متعلق نہیں جو مروی ہیں۔ پھر یہ ہے کہ روایتوں میں جو مشورے بیان کئے گئے ہیں اُن میں یہ ہرگز مذکور نہیں کہ تم فلاں اور فلاں میں کسے موزوں سمجھتے ہو۔ بلکہ صرف یہ فرمانا کہ عمر (رضی اللہ عنہ) کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے۔ گویا ان مشوروں کی ان روایتوں کے مطابق بھی آپ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خلافت کا فیصلہ کر چکے تھے۔ لوگوں نے خلافت نبوت کے بارے میں شوریٰ کے جو فرضی تصورات [1] بطور خود قائم کر لیے ہیں ان ہی کے تحت ان واقعات کو ڈھالنے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ تلبیس سے عوام متاثر ہوں تو ہوں۔ طالبانِ علم متاثر نہیں ہوسکتے اور نہ خیالی باتوں سے واقعات بدل جاتے ہیں ۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا تقرر استصواب رائے عامہ سے ہرگز نہیں ہوا۔ بلکہ اربابِ حل وعقد کے سامنے بھی دو چار نام نہیں رکھے گئے تھے سوائے خلیفۂ رسول ﷺ کے کسی اور پر اس تقرر کی ذمہ داری نہیں ہے۔

البتہ آپ کے متعلق جو فیصلہ ہوا وہ بالکل قدرتی تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد سوائے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے کسی اور پر نگاہ نہیں پڑتی تھی۔ فرمان صدیقی کے الفاظ ہیں :

---

[1] جماعت اسلامی اور اس کے بانی کے فرضی تصورات ملاحظہ کریں۔

انی استخلف علیکم بعدی عمر بن الخطاب فاسمعوا له واطیعوانی لم آل الله ورسوله ودینه ونفسی وایاکم خیرا.

میں نے اپنے بعد تمہارے اُوپر عمر بن الخطاب کو خلیفہ بنایا ہے۔ اُن کی بات سننا اور اطاعت کرنا۔ میں اللہ اور اُس کے رسول، اُس کے دین، اپنی جان اور خود تمہاری خیر خواہی کے علاوہ اور کوئی بات نہیں سوچی۔

اس پورے فرمان میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں ہے جس سے اندازہ ہو کہ اس انتخاب و تقرر کی ذمہ داری میں کوئی دوسرا شخص بھی شریک ہے۔

امیر المومنین سیدنا حضرت عثمان رضوان اللہ علیہ کا انتخاب ایک بالکل ہی دوسری طرح ہوا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد چھ بزرگوں کو نامزد کیا کہ ان میں سے کسی کا انتخاب ہو جائے آپ نے یہ ہرگز نہیں فرمایا کہ یہ چھ حضرات امیدوار ہیں انھیں اُمت کے سامنے پیش کر کے استصواب کرنا تا کہ ایک صاحب منتخب ہو جائیں۔ بلکہ شوریٰ محض ان چھ حضرات کے مابین تھا کہ آپس میں کسی ایک پر اتفاق کر لیں۔

قرآن اور حدیث میں خلافت نبویہ کی ایسی تفصیل وتشریح ہرگز نہیں ہے جس کی روشنی میں خلافت وانعقاد خلافت کی کوئی ایک صورت متعین کی جا سکے، اطاعت امیر کی ضرورت، انسانی قدروں کی حفاظت کتاب وسنت کی پابندی، زندگی کے ہر شعبہ میں رسول اللہ ﷺ کی امتیازی حیثیت اور فریضہ دعوت وتبلیغ وغیرہ قانون کے روپ میں ضرور بتائے گئے ہیں لیکن ان باتوں کے مجموعہ کا نام خلافت نہیں رکھ سکتے، بلکہ ان قوانین وضوابط کی روشنی میں خلافت اور انعقاد خلافت کے لیے ہم ایک ایسا راستہ ضرور ڈھونڈ سکتے ہیں جو شارع علیہ السلام کی منشائے دلی کو پوری کرنے کی بھر پور صلاحیت رکھتا ہو اور جس کا مقصد صرف دین برپا کرنا ہو۔

شریعت کو اس سے بحث نہیں کہ خلافت فقط شوروی ہو۔ اور اس کے لیے ایک میٹنگ ہو جس میں ممبران مجلس شوریٰ اپنی قیمتی آراء پیش کریں۔ خلیفہ اول کی خلافت شخص واحد (حضرت عمر رضی اللہ عنہ) کے ذریعہ منعقد ہوئی۔ خلیفہ ثانی کی خلافت خلیفہ اول کے چاہنے سے ہوئی۔ اس کے لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہاں کوئی مجلس کی؟ کب چند لوگوں کے بارے میں رائے لی؟ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو چاہتے تھے اگر کچھ پوچھا بھی تو صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی کے بارے میں۔ کیا شوریٰ کا یہی مفہوم ہے کہ اپنے پسندیدہ کے سوا کسی اور کے بارے میں رائے ہی نہ لی جائے۔

خلیفہ ثالث بھی خلیفۂ دوم کی مرضی کے مطابق ہی ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صرف چھ کو نامزد کیا کہ بس انھیں میں سے ایک چنا جائے تو دُنیا نے دیکھا کہ پھر کسی ساتویں آدمی کی ہمت نہ پڑی کہ وہ اسلامی خدمات کا سہارا لے کر کھڑا ہو جائے۔

اصحاب شوریٰ پابند ہو گئے کہ اگر انتخاب ہو سکتا ہے تو بس انہیں چھ حضرات میں سے کسی ایک کا۔ کیونکہ یہی فرمانِ امام سابق ہے۔

الحاصل انعقاد خلافت کی کوئی واضح صورت قرآن وحدیث میں نہیں۔ یہ چیز ارباب حل وعقد کی صوابدید پر چھوڑ دی گئی کہ شریعت محمدیہ کی روشنی میں حالات کے پیش نظر جسے اور جیسے چاہیں منتخب کریں۔ مجلس شوریٰ اور اس کی ممبر سازی عصر نو کی پیداوار ہے۔ قرن اول میں 'شوریٰ' کا وہ تصور نہ تھا جو آج بانیان تحریک پیش کر رہے ہیں کہ امر حرام پر بھی افراد شوریٰ کا اتفاق نا قابل انکار ہوتا ہے۔ مشورہ بیشک عمدہ چیز ہے۔ اس سے مسئلہ کا ہر گوشہ روشنی میں آ جاتا ہے اور ایسے راستے بھی سامنے آ جاتے ہیں جو پہلے سے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں رہتے۔ لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ بغیر مشورہ کے کسی کو اپنے بعد کے

لیے خلیفہ بنانا باطل ہو جائے ورنہ..... صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے طرزِ عمل کی ناقابل انکار توجیہہ کس طرح کی جا سکتی ہے؟

تعدادِ خلفاء:۔

وہ کون ہے جس نے مسئلہ خلافت پر قلم اٹھایا ہو اور حدیثِ سفینہ نہ بیان کیا ہو اور وہ یہ ہے:

الخلافة فی امتی ثلاثون سنة ثم يصير ملكًا عضوضاً ۔ خلافت میری اُمت میں تیس برس رہے گی پھر وہ ملک ہوگا جو عضوض ہے۔

سنن ترمذی میں یوں ہے:

الخلافة فی امتی ثلاثون سنة ثم ملك بعد ذلك خلافت میری اُمت میں تیس برس رہے گی۔ پھر وہ ملک ہو جائے گی۔

اسی حدیث کو امام ابوداؤد نے اس طرح بیان کیا ہے:

خلافة النبوة ثلاثون سنة ثم يوتی الله الملك من يشاء خلافتِ نبوت تیس سال تک ہے پھر اللہ تعالیٰ جسے چاہے ملک دے گا۔

ان مذکورہ حدیثوں میں خلفاء کی تعداد بھی بتائی گئی ہے جو حسب ذیل ہے۔

سنن ترمذی کے الفاظ یہ ہیں:

امسك خلافة ابی بكر ثم قال وخلافة عمر وعثمان ثم قال امسك خلافة علی فوجدناها ثلاثين سنة ابوبکر کی خلافت لو، عمر اور عثمان کی خلافت لو پھر کہا کہ علی کی خلافت لو تو ہم نے ان سب کی مدت تیس سال پائی۔

امام ابوداؤد کے الفاظ یہ ہیں:

قال سعيد قال لی سفينة امسك عليك ابابكر سنتين وعمر عشراو عثمان اثنتی وعلی كذا سعید کا بیان ہے سفینہ نے مجھ سے کہا کہ ابوبکر کے دو سال لو اور عمر کے دس سال لو اور عثمان کے بارہ سال لو اور علی کے اتنے سال لو۔

حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حدیث سفینہ کا مصداق صرف چار حضرات کو قرار دیا۔

والخلافة علی حديث سفينة ابوبكر و عمر و عثمان و علی [1] اور خلیفہ حدیثِ سفینہ کی رو سے ابوبکر و عمر و عثمان و علی ہیں۔

تفسیر روح البیان میں پہلے حدیث سفینہ کو نقل کیا گیا پھر اس کی تشریح یوں کی گئی:

امسك خلافة ابی بكر سنتين خلافة عمر عشر سنين وخلافة عثمان اثنتی عشره سنة وعلی ستا گن لو۔ ابوبکر کی خلافت دو برس۔ عمر کی خلافت دس برس۔ عثمان کی خلافت بارہ برس اور علی کی چھ برس۔

اسی خلافتِ تیس سالہ میں تعداد خلفاء صرف چار ہے۔ حالانکہ معتبر احادیث صحاح ایسی بھی ہیں جو بالصراحت خلفاء کی تعداد بتاتی ہیں جن میں تعداد خلفاء چار نہیں بارہ ہے۔

الخلفاء من بعدی اثنا عشر كلهم من قريش میرے بعد بارہ قریشی خلفاء ہوں گے۔

چند الفاظ کے فرق کے ساتھ اس طرح بھی ہے:

لا يزال الاسلام عزيزا الی اثنی عشره خليفة كلهم من قريش۔ اسلام قوت سے رہے گا یہاں تک کہ بارہ خلفاء اور وہ سب قریشی ہوں گے۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمتہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب 'تاریخ الخلفاء' میں ان احادیث پر

---

[1] مناقب الامام احمد ص ۱۵۹و۱۶۰۔

سیر حاصل گفتگو کرتے ہیں۔ اختلاف الفاظ وسند کے ساتھ چھ سات بار اس حدیث کو نقل کیا ہے:

اثنا عشر خلیفة کلهم من قریش اخرجه اشیخان وغیرهما وله طرق.

قریش میں بارہ خلیفہ ہوں گے اس حدیث کو شیخین نے بھی لکھا ہے۔ نیز مختلف طریقوں سے بیان کی گئی ہے۔

فیهم . اثنا عشر خلیفة لا یزال الاسلام عزیزا منیعا الیٰ اثنی عشر خلیفة.

قریش میں بارہ خلیفہ ہیں بارہ خلیفہ ہونے تک دین اسلام مستحکم رہے گا۔

لا یزال امر امتی قائما حتی یمضی اثنا عشر خلیفة کلهم من قریش

بارہ خلیفہ ہونے تک دین اسلام مستحکم رہے گا اور میری اُمت مستحکم رہے گی۔ وہ سب قریشی ہوں گے۔

علیکم اثنا عشر خلیفة.

علیکم اثنا عشر خلیفه.

تمہارے لیے بارہ خلیفہ ہیں۔

اثنا عشر کعدة نقباء بنی اسرائیل.

بنی اسرائیل کے (بارہ) نقباء کی طرح بارہ (خلفاء) ہوں گے۔

حضرت جلال العلم علامہ سیوطی آخر میں فرماتے ہیں:

ان المراد وجود اثنی خلیفة فی جمیع مدة الاسلام الیٰ یوم القیامه یعلمون بالحق وان لم تتوال ایامهم ویؤید هٰذا ما اخرجه مسدد فی مسنده الکبیر عن ابی الخلد انه قال لا تهلك هٰذه الامة

بارہ خلفاء سے وہ مراد ہیں جو آغاز اسلام سے قیامت تک کے درمیان ہوں اور حق پر قائم رہیں گے اور یہ ضروری نہیں کہ ان کا زمانہ باہم مسلسل ہو۔ ان لوگوں کے اس بیان کی تائید اس قول سے ہوتی ہے جو مسدد نے اپنی مسند کبیر میں تحریر کیا ہے

حتی یکون منها اثنی عشر خلیفة کلهم یعمل بالهدی ودین الحق منهم اجلان من اهل بیت محمد صلی الله علیه وسلم وعلیٰ هذا فالمراد بقوله ثم یکون الهرج. ای الفتن الموذنة بقیام الساعة من خروج الدجال.

دین حق پر چلنے والے ہدایت کے علم بردار بارہ خلفاء کے ہونے تک جن میں اہل بیت کے بھی دو افراد شامل ہیں جب تک خلافت نہ کرلیں گے اس وقت تک اُمت مسلمہ ہلاک و برباد نہیں ہوگی اور سرور عالم ﷺ کا یہ ارشاد کہ اس کے بعد پھر فتنہ وفساد ظہور پذیر ہوگا اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ فتنہ فساد کا زمانہ خروج دجال سے لے کر قیامت تک کا زمانہ ہوگا۔

علامہ سیوطی احادیث کی روشنی میں مذکورہ کلیہ تحریر فرمانے کے بعد اپنی رائے ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں:

قلت وعلیٰ هذا فقد وجر من الاثنی عشر الخلفاء الاربعة والحسن ومعاویه وابن الزبیر وعمر بن عبدالعزیز هولاء ثمانیه ویحتمل ان یضم المهتدی من العباسین لانه فیهم کعمر بن عبدالعزیز فی بنی اُمیه وکذلك الطاهر لماروية من العدل وبقی الاثنان المنتظرون احدهما المهدی لانهٔ ال بیت محمد صلی الله علیه وسلم.

میں کہتا ہوں کہ بارہ خلفاء میں یہ حضرات ہیں۔ خلفائے اربعہ، امام حسن، حضرت معاویہ، ابن زبیر، عمر بن عبدالعزیز یہ آٹھ ہوئے ان خلفاء میں المہتدی کو شامل کرنا چاہئے کیونکہ عباسیوں میں یہ ایسے ہی ہیں جیسے عمر بن عبدالعزیز اُمویوں میں۔ اور اسی طرح طاہر جو عدل وانصاف کے پیکر تھے ان دس کے بعد دو خلیفہ باقی رہے جن میں سے ایک امام مہدی ہوں گے جو اہل بیت محمد ﷺ میں سے ہوں گے۔

مختصر یہ کہ ایک حدیث یہ ہے کہ خلافت تیس برس رہے گی اور دوسری حدیث یہ ہے کہ خلفاء بارہ ہوں گے۔ تیس سال میں بارہ قریشی خلفاء کی نشاندہی ناممکن ہے کیونکہ تیس سال میں صرف چار خلفاء پائے جاتے ہیں۔

حدیث سفینہ گو صحیح بخاری میں موجود نہیں ہے مگر عند العلماء مشہور و معروف ضرور ہے لیکن حدیث 'اثنا عشر خلیفۃ' تو صحیحین میں بھی مذکور ہے۔ اس لیے اس حدیث کی صحت سے انکار 'فن حدیث' سے ناواقف ہونے کی بیّن دلیل ہے۔

اب یا تو حدیث سفینہ سے بالکلیہ انکار کرتے ہوئے اس خلافتِ تیس سالہ کو ہی باطل قرار دیا جائے اور اس بات کا ذرہ برابر خیال دل میں نہ لایا جائے کہ یہ وہ حدیث ہے جو بخاری اور مسلم کے معیار پر صحیح اُتری ہے۔

لیکن صورت حال یہ ہے کہ دونوں حدیثیں بظاہر متضاد ہوتے ہوئے بھی محدثین کے نزدیک اُن کی صحت وقوت مسلمہ ہے لہٰذا دونوں حدیثوں میں سے کسی بھی حدیث کو اصحاب علم کبھی بھی نظر انداز نہیں کر سکتے۔

اب میرے نزدیک تطبیق و موافقت کی بس ایک ہی صورت ہے کہ خلافت راشدہ کی دو قسمیں قرار دی جائیں۔ اول: خلافت راشدہ خاصہ۔ دوم: خلافت راشدہ عامہ۔

خلافت راشدہ خاصہ کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے۔

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ (النور/۵۵)

تم میں جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے ہیں اللہ نے اُن سے وعدہ کیا ہے کہ وہ انھیں زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح اُس نے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا۔

اس خلافت راشدہ کا وعدہ ان مومنین سے کیا جا رہا ہے جو نزول آیت کے وقت بقید یات موجود تھے کیونکہ آیت کریمہ کے الفاظ ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ﴾ خود ہی ظاہر کر رہے ہیں کہ اس کے مخاطب وہی ہیں جو نزول آیت کے وقت زندہ موجود تھے "منکم" جمع حاضر کا صیغہ ہے نہ جمع غائب کا۔ لہٰذا آیت کے دائرے کو حاضرینِ وقت سے تجاوز کر دینا ہرگز درست نہیں ہوسکتا۔ اگر خداوند عالم کا منشا یہ ہوتا کہ یہ وعدہ قیامت تک کے مسلمانوں کے لیے ہے تو "منکم" کا صیغہ استعمال نہ کیا جاتا۔

الغرض اس آیت کے **موعود لھم** وہی مومنین صالحین جو بوقت نزول موجود ہو کر اطب آیت تھے اور وہ صرف مہاجرین ہیں۔ اس لیے جب کوئی مہاجر سریر خلافت پر نظر ئے تو یقین کر لیجیے کہ وہ خلافت راشدہ بلاشبہ موعودہ اور خاصہ ہے اور ہمیں صرف چار اجرین نظر آتے ہیں جو سریر خلافت تھے۔ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور رت علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)۔ یہ حضراتِ اربعہ نزول آیت کے وقت بقید حیات موجود تھے نکم' صیغۂ جمع حاضر کے دائرہ تخاطب میں تھے اور چار حضرات کے سوا کوئی اور مہاجر فہ نہیں ہوا۔ لہٰذا بس انھیں چار حضرات کی خلافت کو خلافت راشدہ خاصہ کہا جائے گا۔

خلافت راشدہ خاصہ کے تحت یہ چار حضرات یکے بعد دیگرے تیس سال رونق افروز ہے جس کی تفصیل 'حدیث خلافتِ تیس سالہ' کے ضمن میں بیان کر چکا ہوں۔ لہٰذا حدیث نہ میں جس خلافت کی مدت تیس سال بتائی جارہی ہے اس خلافت سے مراد خلافت شدہ خاصہ ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر ختم ہوگئی۔

اب تطبیق کی واضح صورت جو سامنے آئی ہے وہ یہ ہے کہ جس حدیث میں صرف تیس ل کی خلافت کا ذکر ہے اس میں صرف خلافت راشدہ مراد ہے اور جس حدیث میں بارہ

قریشی خلفاء کو مسند خلافت پر دکھایا جارہا ہے وہاں مطلق 'خلافت نبویہ' مراد ہے جو اپنے دونوں افراد یعنی خلافت راشدہ خاصہ اور خلافت راشدہ عامہ پر مشتمل ہے۔

اس پوری گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ خلافت خواہ خاصہ ہو یا عامہ۔ بہرصورت راشدہ اور مرشدہ ہوگئی کیونکہ یہ دونوں 'خلافت راشدہ' ہی کی قسمیں ہیں تو جب مقسم خلافت راشدہ ہے تو اس کے اقسام بھی یقیناً راشدہ ہوں گے۔ اور پھر ہم خلافت عامہ کو غیر اسلامی خلافت کیسے کہہ سکتے ہیں جب کہ اس کے تخت پر بیٹھنے والے بارہ قریشی خلفاء کو شارع علیہ السلام اپنی زبان حق ترجمان سے اپنے خلفاء فرمارہے ہیں۔ سرکار دو عالم ﷺ سے یہ امید رکھنا کہ وہ مالکان ملک عضوض کو اپنا خلیفہ قرار دیں گے۔ کیا فساد قلب نہیں؟

اس مقام پر صرف ایک شبہ رہ جاتا ہے جس کا ازالہ بیحد ضروری ہے۔ حدیث سفینہ میں تیس سال خلافت خاصہ کے بعد کے دور کو "**ثم یصبر ملکا عضوضا**" کہا گیا ہے۔ جس سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ خلافت خاصہ کے بعد متصلاً جو خلافت ہوگی وہ شرعاً خلافت نہیں بلکہ **ملك عضوض** ہوگا۔

اس کا جواب یہ ہے '**ملکا عضوضا**' کا ترجمہ کرنے سے پہلے غور طلب بات یہ ہے کہ حدیث میں لفظِ "**ملکا**" کا اعراب کیا ہے۔ یہ لفظ آیا "**مَلْکًا**" ہے یا "**مُلْکًا**" یعنی اس لفظ کا ترجمہ مُلک کیا جائے یا مَلِک۔ ارباب علم واقف ہیں کہ حدیث میں لفظ ملک بضم میم یعنی مُلک ہے جس کے معنی مشہور ومعروف ہیں۔ یہ لفظ 'مَلِکْ' نہیں ہے اس لیے کہ یہ لفظ 'الخلافۃ' کے بعد واقع ہورہا ہے اور لفظ الخلافۃ غیر وصفی ہے لہٰذا اس کے مقابلہ میں بھی غیر وصفی لفظ ہونا چاہئے۔ عبارت کی سلاست اور فن بلاغت کا یہی تقاضہ ہے۔ اگر یہ لفظ مَلِکْ ہے تو ابتداء میں الخلافۃ کے بجائے الخلیفۃ ہونا چاہئے تھا تاکہ دونوں جگہ وصفی لفظ ہوجائیں۔

مذکورہ بالا تشریح حضرت علامہ ابن حجر مکی نے اپنی معرکۃ الآراء کتاب تطہیر الجنان واللسان میں کی ہے اور اسی حدیث کو سمجھاتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

یصیب الناس فیه ظلم وعصف کانهم یعضون عضا. اس ملک میں لوگوں کو ظلم وعصف پہنچے گا اور لوگ ایک دوسرے کو کاٹ کھائیں گے۔

تو یہ کاٹ کھانے کا وصف لوگوں کا آپس میں ہوگا کیونکہ عبارت مذکورہ میں **یعضون** کی ضمیر لفظ 'ناس' کی طرف راجع ہے اور لفظ 'فیہ' خود بتارہا ہے کہ اس حدیث میں لفظ مُلک میم کے ضمہ کے ساتھ ہے اس لیے کہ مُلک ظرف مکان ہے جس کے لیے 'فی' آتا ہے۔ اگر یہ لفظ بفتح میم یعنی مَلِکْ ہوتا ہے تو اس کے لیے علامہ ابن حجر مکی علیہ الرحمہ 'فیہ' نہ لکھتے۔ نحوی قواعد کی رو سے 'فیہ' یہاں موزوں نہیں۔ اب لامحالہ ماننا پڑے گا کہ یہ لفظ واقعتاً "**مُلکًا عضوضا**" ہے۔

یہ بات واضح ہوگئی کہ تیس سالہ خلافت راشدہ خاصہ کے بعد جو ملک ہوگا وہ عضوض ہوگا یعنی اس ملک کی رعایا آپس میں ایک دوسرے پر ظلم کرے گی۔ اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ ملک کا والی بھی ظالم ہوگا۔

تجدید واحیائے دین کے مصنف کی ایک درج کردہ حدیث جس میں پانچ اَدوار خلافت کا ذکر ہے کا محاکمہ کرتے ہوئے شیخ الاسلام علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی کچھوچھوی دامت برکاتہم جانشین حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ رشاد فرماتے ہیں:

'یہ تیسرا دور جن لوگوں پر مشتمل ہے اس میں اکثر 'ملک عاض' ہیں اسی لیے "**للاکثر حکم الکل**" (یعنی اکثر حکم میں کل کے ہوتا ہے) کے طور پر یہ فرمادیا گیا ہے۔

ورنہ اسی دور کے سربراہوں میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ جیسی

گراں قدر مسلمہ شخصیت بھی نظر آتی ہے جس کی خلافت یقیناً خلافت علی منہاج النبوت اور وہ بالیقین خلیفۂ راشد تھے۔

علی ہذا القیاس اگر جبری دور میں بھی کہیں خال خال کوئی صاحب تقویٰ وطہارت خلافت علی منہاج النبوت کا نقشہ پیش کردے۔ جب بھی اکثریت پر نظر رکھتے ہوئے اس دور کو جبری دور کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

جس طرح کہ سرکار رسالت مآب ﷺ نے غلبۂ خیر کے سبب اپنے دور کو سب سے اچھا ... فرمایا۔ ورنہ منافقین کی شرانگیزیاں اس وقت موجود تھیں مگر نہایت درجہ مغلوب تھیں۔ پھر اپنے صحابہ اور پھر تابعین کے دور کو اچھا فرمایا۔ حالانکہ ریشہ دوانیٔ مروان، شہادت عثمان، جنگ صفین، جنگ جمل، جنگ نہروان، حتی کہ معرکۂ کربلا وغیرہ سب انھیں دوادوار کی چیزیں ہیں گر اس کے باوجود چونکہ اس دور میں بھی تمام شروفساد پر خیر غالب رہا لہٰذا اس کو زمانہ خیر کہا گیا۔ ۱؎

الحاصل شر کے ہوتے ہوئے محض 'کثرت خیر' کی بناء پر قرون ثلثہ کو 'خیر القرون' کہا گیا ہے۔ اسی سے ثابت ہوتا ہے کہ خلفائے راشدین مہدیین کے ہوتے ہوئے محض کثرت ظالمین و جابرین کی بناء پر خلافت راشدہ خاصہ کے بعد کے دور کو **'ثم یصیر ملکا عضوضا'** کہہ کر 'جبری' دور بتایا گیا۔

قاضی ثناء اللہ صاحب، بلا تعین شخصیت صرف یہ فرماتے ہیں کہ حدیث مذکور (الخلفاء بعدی اثناء عشر) میں خلفاء سے مراد وہ ہیں جنھوں نے فرائض خلافت کے ادا کرنے میں حتی الوسیع کوتاہی نہیں کی۔ اور ملک کو عدل و داد اور ملت کو تبلیغ و اشاعت سے

۱؎ حاشیہ اسلام کا تصور الٰہ اور مودودی صاحب ص ۱۲۰

آباد رکھا۔ اس صحیح معنی کے استعمال سے ظالمین اور فاسقین کا طبقہ نکل جاتا ہے۔ اور چھ کی تعداد بھی پوری ہوسکتی ہے۔ بنی اُمیہ میں گیارہ پشت اور بنی عباس میں ۳۳ پشت حکومت اس بڑی تعداد سے صرف چھ شخصیتوں کا منتخب کرنا بغیر کسی وجہ موجہ کے کیونکر قابل قبول ہوسکتا ہے؟ اس لیے میرے خیال میں باقی چھ خلفاء کے انتخاب میں قاضی صاحب کے بیان کردہ معیار کو ملحوظ رکھنا بہت مناسب ہے۔ ۱؎

اتنا لکھنے کے بعد شیخ الاسلام علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی کچھوچھوی دامت برکاتہم جانشین حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ جو کچھ فرماتے ہیں اُسے ہم کمال اختصار سے پیش کرتے ہیں۔

'اول: امیر معاویہ .... دوم: معاویہ بن یزید ....

سوم: عبداللہ ابن زبیر .... چہارم عمر ابن عبدالعزیز ....

پنجم خلیفۂ ہادی۔ ششم خلیفہ مہدیٰ'۔ ۲؎

مجدد مائۃ حاضرہ امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے جب کسی نے تعداد خلفاء کے بارے میں ان کا نقطہ نظر دریافت کیا تو مجدد موصوف نے جو جواب دیا اسے الملفوظ میں آج بھی دیکھا جاسکتا ہے۔ میں اس سوال و جواب کو مِن وعَن نقل کرتا ہوں۔

'عرض۔ کن کن خلفاء کی خلافت' راشدہ تھی؟

ارشاد۔ ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی، مولیٰ علی، امام حسن، امیر معاویہ، عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی خلافت، راشدہ تھی اور اب سیدنا امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت، خلافت راشدہ ہوگی۔ (الملفوظ، حصہ سوم، ص ۹۲)

۱؎ اسلام کا تصور الٰہ ص ۱۲۹-۱۳۰، ۲؎ حاشیہ اسلام کا تصور الٰہ ص ۱۳۰ مختصراً۔

مجدد موصوف صرف انھیں خلفاء کا تذکرہ کرتے ہیں جن کا راشد وَ مرشد اور ہادی وَ مہدی ہونا اظہر من الشمس ہے کیونکہ حضرت سیدنا عمر ابن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے سوا باقی سارے خلفاء 'صحابی رسول' ہیں' اکابر ملت میں سے ہیں جن کی عدالت وثقاہت کی ضمانت کتاب وسنت نے لی ہے۔ اب رہے عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ تو اُن کو جو راشد وَ مہدی نہ تسلیم کرے تو خود اپنے لیے رشد وہدایت کی راہ تلاش کرنی چاہیے۔

خلفائے راشدین کے بارے میں ایک اور حدیث رسول ہے جس کے ہر ہر لفظ کے مصداق امیر المومنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ سرکار دو عالم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

علیکم بسنتی وسنة خلفاء الراشدین المهديين من بعدی. تم پر میری سنت اور میرے بعد خلفائے راشدین کی سنت واجب ہے۔

اس میں چار لفظ قابل غور ہیں۔

۱-خلیفہ

۲-راشد

۳-مہدی

۴-من بعدی

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ انفرادی طور پر ان چاروں الفاظ کے بلا شک وشبہ مصداق ہیں۔ دلائل ملاحظہ ہوں۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی کتاب حجۃ اللہ البالغہ کے مطالعہ سے حسب ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

۱- اعلم انه يشترط فى الخليفة ان يكون عاقلاً ، بالغاً ، حرّاً، ذكرًا ، شجاعاً ، ذرائ وسمع وبصر ونطق وممن مسلم الناس شرفه ، وشرف قومه ۱ واضح ہو کہ خلیفہ کے اندر، عاقل، بالغ، آزاد، مرد، شجاع، صاحب رائے، سننے والا، دیکھنے والا اور گویا ہونا شرط ہے اور اسے ایسا ہونا چاہئے کہ لوگ اس کی اور اس کے نسب کی شرافت کو تسلیم کرتے ہوں۔

۲- خلیفہ کا مسلمان، عالم، اور عادل ہونا بھی ضروری ہے **(منها الاسلام والعلم والعدالة)**. ۲

۳- خلیفہ قریشی بھی ہو۔ **(قال النبی صلی الله علیه وسلم الائمة من قریش)**.

الحمد للہ امیر المومنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، عاقل، بالغ، آزاد، شجاع، صاحب الرائے، صاحب سمع وبصر تھے اور مسلمان، عالم، عادل اور قریشی بھی تھے اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

اس کے بعد شاہ صاحب انعقاد خلافت کی چند صورتیں بیان کرتے ہیں۔

۱- اہل حل وعقد کی بیعت سے خلافت منعقد ہوجاتی ہے۔ **بیعته اهل الحل والعقد من العلماء والرؤساء.** ۳

۲- وصیت سے بھی خلافت منعقد ہوجاتی ہے۔ جیسے وصیت ابوبکر سے خلافت عمر قائم **(کما انعقدت خلافة عمر رضی الله عنه).** ۴

۳- قوم کے مشورہ اور اتفاق سے خلافت کا انعقاد صحیح ہے۔ **(یجعل بین قوم)۔** ۵

۴- کوئی شخص جس میں خلافت کی جملہ شرائط پائی جاتی ہوں لوگوں پر غالب آجائے اور لوگ اس کے غلبہ کو قبول کرلیں تو اس کی خلافت منعقد ہوجائے گی **(واستیلاء رجل جامع للشروط علی الناس)۔** ۶

۱، ۲، ۳، ۴، ۵ حجۃ اللہ البالغہ جلد دوم ۶ کربلا کا مسافر ص ۶۴۔

علامہ عبدالغنی نابلسی قدس سرہٗ حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ میں فرماتے ہیں:

شرط الامامة انها خمسة الاسلام والبلوغ والعقل والحرية وعدم الفسق

امام کبریٰ کی پانچ شرطیں ہیں۔ مسلمان، بالغ، عاقل، آزاد اور عادل ہونا۔

اب ملاحظہ ہو تمہید امام، ابوشکور سالمی کی سند' یہ کتاب اتنی مستند ہے کہ حضرت نظام الدین محبوب الٰہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اُسے درس میں پڑھا ہے'۔

ان معاويه كان عالما من غير فسق وكانت الديانة ولو لم يكن متدينا لكان لا يجوزا الصلح معه وكان عادلًا فيما بين الناس ثم بعد علی كان امامًا على الحق عادلًا فی دين الله وفی عمل الناس۔

حضرت معاویہ عالم تھے فاسق نہیں تھے دینداری تھے اگر وہ دیندار نہ ہوتے تو ان کے ساتھ صلح جائز نہ ہوتی۔ وہ عادل تھے۔ حضرت علی کے بعد امام برحق تھے۔ دین اور معاملاتِ ناس میں عادل تھے۔

جب حضرات حسنین رضی اللہ عنہما نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کی تو پھر دیکھتے دیکھتے دُنیائے اسلام بیعتِ معاویہ کے دائرے میں آ گئی اور ایک فرد بھی باقی نہ رہا جس نے دستِ معاویہ پر 'بیعتِ خلافت' نہ کی ہو۔

اس تفصیل نے حدیث مذکور کے پہلے لفظ 'خلیفہ' کے صدق کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے ثابت کردیا۔ اب اس حدیث کا دوسرا لفظ 'راشد' ملاحظہ ہو۔

قرآن پاک جس کا ہر فیصلہ قطعی اور ناقابل انکار ہوتا ہے صحابۂ کرام کے بارے میں یہ اعلان کرتا ہے:

أُولٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُوْنَ۔ یہ سب راشد ہیں۔

جب ہر صحابی عند اللہ اور عند الرسول راشد ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو 'مومن کامل، مخاطب آیت اور جلیل القدر صحابی' ہونے کی بنیاد پر 'راشد' نہ سمجھا جائے۔ اگر وہ صحابی اور مومن کامل ہیں تو پھر اُن کے راشد ہونے میں کسی کو شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ خدا عالم الغیب والشہادہ ہے۔ اُسے حق ہے کہ صحابہ کے بارے میں فیصلہ کرے۔ اب جب وہ اُن سب کو راشد فرما رہا ہے تو ہمارے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ ہم سب سرِ تسلیم خم کردیں۔

حدیث مذکور کا تیسرا لفظ 'مہدی' ہے اور لاریب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہادی اور مہدی ہیں۔ ارشادِ نبوی ہے:

اللّٰهم اجعله هاديا ومهديا واهد به۔ اے اللہ معاویہ کو ہادی اور مہدی اور لوگوں کے لیے ذریعہ ہدایت بنا۔ (جامع ترمذی)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں حضرت قتادہ نے فرمایا: '**هذا المهدی**'۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خاص عقیدتمند ابو اسحٰق اسبیعی نے امیر المومنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو '**کان المهدی**' فرمایا۔ حضرت مجاہد نے بھی '**هذا المهدی**' فرمایا۔ امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور عمیر رضی اللہ عنہ (گورنر حمص) نے بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی 'مہدیت' کا اعتراف و اعلان کیا ہے جس کی تفصیل آپ پچھلے صفحات پر ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

حدیث کا چوتھا لفظ '**من بعدی**' ہے اور امیر المومنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا خلیفہ '**من بعد الرسول**' ہونا اظہر من الشمس ہے۔

الغرض حدیث رسول "**علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدين المهديين**"

کے ہر لفظ کے مصداق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ انفرادی طور پر بھی ہیں جو اپنے خلفائے راشدین کے بارے میں سرکار ابد قرار ﷺ نے فرمایا ہے ۔ مجاہد ملت حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اڑیسہ کا (کربلا کا مسافر صفحہ ۲۰۹) پر ایک ارشاد ملاحظہ ہو۔

'حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے اُمور خلافت پر چند شرائط کے تسلیم کرانے کے بعد بیعت فرمائی .... اُس وقت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ برحق ہوئے'۔

عہد معاویہ رضی اللہ عنہ :-

عہد معاویہ رضی اللہ عنہ میں اسلام کی شوکت اور عوام کی خوش حالی کا تذکرہ کرتے ہوئے امام ابن کثیر رقمطراز ہیں:

الجهاد فی بلاد عدو قائم وكلمة الله عالیه والغنائم ترد الیه من اطراف الارض والمسلمون معه فی راحة وعدل وصفح وعفو۔[1]	ممالکِ کفار میں سلسلہ جہاد جاری تھا کلمۃ اللہ کا بول بالا تھا۔ ہر طرف سے غنیمتیں سمٹ کر آتی تھیں ۔اور مسلمان اُن کے دور میں عدل و انصاف اور راحت و آرام سے ہمکنار تھے۔

شیعی مورخ امیر علی کو بھی اعتراف ہے:

On the whole Muaviyah's rule was prosperous and peaceful at home and successful abroad. (History of strances page82)

ترجمہ: 'مجموعی طور پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت اندرونِ ملک بڑی خوش حال اور پرامن تھی ۔اور خارجہ پالیسی کے لحاظ سے بڑی کامیاب تھی'۔

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۱۹۔

آپ نے ملک کے غیر منظم معاملات کو پھر سے منظم کیا ۔ ملک کو مختلف صوبوں میں تقسیم کیا اور ہر صوبہ کو خود کفیل بنایا۔ ہر صوبے کی سالانہ آمدنی کو اسی صوبے کی ترقی پر خرچ کرنے کی ہدایات دیں۔ سوائے ایک مختصر سی رقم کے جو ہر سال مرکز کو بھیجی جاتی تھی ، ہر صوبے کی زکوٰۃ بھی مقامی بیت المال میں جمع ہوتی اور پھر وہیں صرف ہو جاتی ۔ اس سے یہ ہوا کہ ہر صوبے میں ترقی اور خوش حالی کی لہریں دوڑنے لگیں اور لوگ ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر بیت المال میں روپیہ دیتے ۔

رفض وَ خروج:-

خوارج کی بڑھتی ہوئی شرانگیزیوں شورشوں اور فتنہ انگیزیوں کا قلع قمع اور اُس کی مکمل سرکوبی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں ہوئی' ۴۱ھ میں ایک خارجی فردہ بن نوفل نے کی تھی اسے زیاد ابن ابی سفیان نے سختی سے پورا کردیا۔

ان تمام کاوشوں کا نتیجہ وہی نکلا جو امیر المومنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ چاہتے تھے کہ رفض وَ خروج میں دوبارہ اُبھر کر قوم مسلم کے سامنے آنے کی ہمت نہ پڑے ۔ امیر المومنین کا اُمت مسلمہ پر یہ ایک ناقابل فراموش احسان ہے۔

دیگر بغاوتیں :-

ان اندرونی شورشوں کے علاوہ مفتوح علاقوں میں بغاوت کی آگ بتدریج بھڑک رہی تھی ۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ امیر المومنین ہونے کے بعد ہی ۴۱ھ میں نہ صرف ہرات، بلخ، بادغیس اور بوشنج وغیرہ علاقوں کی بغاوتوں کو فرو کیا بلکہ بلخ کے مشہور و معروف آتش کدہ کو مسمار کر کے دُنیائے کفر کو زبردست شکست دی۔

عہد عثمانی میں جو علاقے مفتوح ہوگئے تھے وہاں کے باشندوں نے بھی بغاوت کردی تو ۴۳ھ میں عبدالرحمٰن بن سمرہ کو بجستان کا والی بنا کر بھیجا گیا اور ان کو کابل اور اس کے گردو

نواح کی بغاوتوں کو فرو کرنے کی خاص ہدایات دی گئیں۔ کابل کی دوبارہ فتح کے بعد لشکر معاویہ نے بست کا رُخ اختیار کیا اور بغیر خون خرابہ پورے شہر پر اسلامی قبضہ ہوگیا اس کے بعد طنخارستان اور رخج پر قبضہ کرتے ہوئے لشکر معاویہ غزنہ پہنچا۔ اہل غزنہ کی زبردست شکست ہوئی اور اس طرح بجستان سے لے کر غزنہ تک پورا علاقہ جو مسلمانوں کے قبضہ سے نکل گیا تھا پھر سے مملکت اسلامیہ میں داخل ہوگیا۔

کوفہ کے قریب خلافت اسلامیہ کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا جس کے پڑانچے فضا میں اڑادیئے گئے۔

اس کے بعد حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی گورنری میں شبیب بن بجرہ، معین بن عبداللہ اور ابی لیلیٰ نے سر اٹھایا مگر اُن کا بھی سارا زور توڑ دیا گیا۔ پھر ۴۳ھ میں مستورابن علقمہ خارجی نے خفیہ سازش کی مگر موقعہ پر پہنچ کر اُن کا محاصرہ کرلیا گیا۔ اور گرفتار شدگان کو قتل کردیا گیا اس طرح کی دو لڑائیوں نے خوارج کے حوصلے پست کردیئے۔

خارجیوں کی سرکوبی کے ساتھ ساتھ 'الفتنه الباغيه' یعنی سبائی باغی گروہ کی بھی مزاج پرسی ہوتی رہی کیونکہ اُن کی کلمہ گوئی پر ابن الوقتی کا ایسا غلبہ تھا جیسا کہ ہمارے زمانے میں بھی بعض حضرات جماعتی سطح پر 'کلمہ گوئی' کو ابن الوقتی کے جذبے کی تسکین کے لیے استعمال کرتے ہیں چنانچہ ضرورت تھی کہ اس فتنہ کا قلع قمع اس طرح کردیا جائے کہ پھر قیامت تک اسے غلبہ نہ حاصل ہوسکے۔

اسی لیے جب ہرات، بلخ، بادغیس اور بوشیخ وغیرہ کے علاقوں کے باشندوں نے بغاوتیں کیں تو امیر المومنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ ابن عامر رضی اللہ عنہ کے ذریعہ ان سب کو پست کردیا۔

بصرہ جو سبائیوں کے فتنہ وفساد کا آماجگاہ بن چکا تھا۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے اپنی حکمت عملی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سچی اسلامی لگن کی پشت پناہی سے ان سبائیوں کی ریڑھ کی ہڈی توڑ دی اور جو کچھ کمی رہ گئی [1] زیاد ابن ابی سفیان نے سختی سے پورا کیا۔

علاوہ ازیں ۴۴ھ میں مہلب بن ابی صفرہ نے خیبر کے راستے سے فوج کشی کی اور کابل کی سرحدوں کو عبور کرکے سرزمین ہند میں اسلامی قدم رکھا اور ملتان تک پہنچے۔ جن لوگوں نے مزاحمت کی اُن کا قلع قمع کیا گیا۔ پھر وہ قلات کی طرف بڑھے یہاں تک کہ ترک سرداروں سے مقابلہ ہوا اور وہ سب مارے گئے۔

۵۴ھ میں لشکر معاویہ نے ترکستان کی جانب رُخ کیا۔ اور رامنی اور بیکند نسف کے کئی علاقوں کو فتح کرلیا اور بہت کافی مال غنیمت ہاتھ آیا [1] ۶۵ھ میں عبیداللہ کی جگہ سعید بن عثمان بن عفان خراسان کے گورنر مقرر ہوئے انھوں نے دریائے جیحوں کو پار کرکے اگلے علاقے پر حملہ کیا [2] اور ایک دو لڑائیوں کے بعد بخارا کا علاقہ مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا۔ پھر مسلمانوں نے سمرقند پر حملہ کیا اور فتح وکامرانی کو گلے سے لگاتے ہوئے آگے بڑھتے گئے۔ اس کے بعد مسلمانوں نے 'ترمذ' پر حملہ کیا لیکن وہاں کے لوگوں نے لڑائی پر صلح کو ترجیح دی۔ [3]

بحری فتوحات کے سلسلے میں علامہ خیرالدین زرکلی اپنی مشہور کتاب 'الاعلام' میں لکھتے ہیں:

---

[1] طبری ج ۶ ص ۱۶۷، ابن الاثیر ج ۳ ص ۲۴۷ [2] معاویہ ج ۱ ص ۳۷۵، [3] فتوح البلدان ۴۱۷-۴۱۸ [4] [5] ابن الاثیر ج ۳ ص ۲۱۷، ۲۲۶

هو اول مسلم ركب بحر الروم للغزو وفى ايامه فتح كثير من جزائر يونان والدرنيل.

امیر معاویہ پہلے مسلمان ہیں جنھوں نے بحرِ روم کو جنگ کے لیے اپنے جہازوں کی بازی گاہ بنایا اور آپ کے عہد میں یونان کے بیشمار جزیرے اور دریائے نیل کے علاقے فتح ہوئے۔

۴۷ھ میں غوریوں نے بغاوت کی تو اُس کا بھی منہ توڑ جواب دیا گیا۔ ۱

الغرض جہاں جہاں فتنہ و بغاوت کے آثار نظر آئے فوراً دفاعی طاقتوں کو بروئے کار لا کے تدارک کیا گیا اور اس طرح مملکت اسلامیہ دن بدن وسیع سے وسیع تر ہوتی گئی۔

فتوحاتِ اسلامیہ:- حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بہترین کمانڈر عقبہ بن نافع نے ۴۱ھ میں شمالی افریقہ کی طرف لشکر کشی کی اور لواتہ، زناتہ، کے علاقوں کو فتح کر لیا۔ پھر ۴۲ھ میں غدامس پر قبضہ کیا اور ۴۳ھ میں سوڈان کے بعض علاقوں کو اسلامی حکومت میں شامل کر لیا۔ ۲ اس زمانہ میں معاویہ ابن خدیج نے افریقہ کے ایک ساحلی تبرات کو فتح کر لیا۔ پھر ۴۵ھ میں آپ نے بڑے اہتمام سے دوبارہ لشکر کشی کی۔ سیدنا عبداللہ ابن عمر، سیدنا عبداللہ ابن زبیر اور سیدنا عبدالملک رضی اللہ عنہم وغیرہ صحابہ اور اکابر قریش اس لشکر کے ہمراہ تھے۔ عبداللہ ابن زبیر نے سُولا اور عبدالملک نے جلولاء فتح کیا۔ ۳

اسی طرح افریقہ کے وہ باشندے جو 'بربر' کہلاتے تھے۔ اُن کی باغیانہ سرگرمیوں کو نیست و نابود اور ان کی سرکشی کو مٹانے کے لیے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ۵۰ھ میں عقبہ بن نافع کو روانہ کیا۔ آپ نے ان باغیوں کے بارِ وجود سے دھرتی کو ہلکا کیا۔ اور انسدادِ فتنہ کے لیے آپ نے قیروان نامی شہر بسایا۔ ۴

---

۱ ۲ ابن الاثیر ج۳ ص۲۱۷، ۲۲۶ ۳ فتوح البلدان ص۲۳۶ و ابن الاثیر ج۳ ص۲۳۰، ۴ معاویہ ج۱ ص۳۷۴

صاحب فتوحاتِ اسلامیہ لکھتے ہیں:

'جزیرۂ قبرص، روڈس اور بعض جزائرِ یونان کی فتح امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اہم کارنامے ہیں'۔ ۱

روڈس کی فتح کے اگلے سال یعنی ۵۴ھ میں جنادہ بن ابی اُمیہ اور مجاہد دونوں حضرات نے ل کر اراواڈ کے جزیرے پر حملہ کیا، جو قسطنطنیہ کے قریب ہے، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہاں کی نو آبادی قائم فرمائی اور اس جزیرے کو اسلامی اقتدار کے زیر اثر لانے کے بعد آپ نے بحری حملوں کے لیے اس کو صدر مقام قرار دیا۔

شجاعت معاویہ رضی اللہ عنہ:-

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو 'قیساریہ' کی مہم پر متعین کرنا اور آپ کا اس مہم کو سر کرنے میں کامیاب ہونا آپ کی شجاعت و بسالت کی بین دلیل ہے، قیساریہ کی مہم اس قدر سخت تھی جس میں لشکر اسلام اسی ہزار رومیوں کو خاک و خون میں لوٹا کر کامیاب ہوا تھا۔ درانحالیکہ رومیوں نے سر دھڑ کی بازی لگا دی تھی۔ اس مہم کی اہمیت کا اندازہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اس خط سے لگایا جا سکتا ہے جو انھوں نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا۔

اما بعد فانى قد ليتك قيساريه فسواليها و استنصرا الله واكثر من قول لا حول ولا قوة الا بالله.

اما بعد میں تم کو قیساریہ کی مہم کا انچارج مقرر کرتا ہوں۔ تم اس مہم پر جاؤ' اللہ سے مدد طلب کرو اور کثرت سے **لا حول ولا قوة الا بالله** پڑھا کرو۔

---

۱ الفتوحات الاسلامیہ ج۲ ص۹۸ ملخصاً۔

نیز بیروت، عرقہ، صیداء کی مہمات کی فتوحات بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بے پناہ شجاعت و بہادری کی مرہون منت ہیں۔[1]

کان (معاویه) ملکًا مهیبًا شجاعاً جوادًا حلیماً۔[2]
امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ایک باہیبت و شجاع صاحبِ جود و سخا اور حلیم و بردبار تھے۔

سیاسی شعور:۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں:

لا اضع سیفی حیث یکفینی سوطی ولاضع سوطی یکفینی لسانی ولو ان بینی وبین الناس شعرة ما القطعت۔[3]
جہاں میرے کوڑے سے کام نکلتا ہے تلوار کام میں نہیں لاتا۔ جہاں میری زبان کام دیتی ہے وہاں کوڑے کو کام میں نہیں لاتا۔ اگر میرے اور لوگوں کے درمیان بال برابر بھی رشتۂ تعلق ہو تو میں اس کو نہیں توڑتا۔

لوگوں نے پوچھا یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ تو فرمایا:

کنت اذا مدها خلیتها واذا خلوها مددتها[4]
جب لوگ اس کو کھینچتے ہیں تو میں ڈھیل دیتا ہوں اور جب وہ ڈھیل دیتے ہیں تو میں کھینچ لیتا ہوں۔

ایک دفعہ فاتح مصر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے جو خود بھی بہترین مدبّر تھے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا۔

---

[1] خطط الشام ج ا ص ۱۲۳، [2] فتوح البلدان ص ۱۳۳، [3] دول الاسلام ج ا ص ۲۴، [4] الاسلام والحضارة العربیہ ج ۲ ص ۱۴۷۔

'میں عاجز آ گیا ہوں کہ یہ جانوں کہ آپ بزدل ہیں یا بہادر؟ جب آپ اقدام کرتے ہیں تو سوچتا ہوں کہ آپ نے قتل و قتال کا ارادہ کر ہی لیا ہے اور جب آپ پیچھے ہٹتے ہیں تو میں سوچتا ہوں کہ آپ نے فرار کا ارادہ کر ہی لیا ہے'۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا:

'بخدا! میں تو اس وقت اقدام کرتا ہوں جب کہ دیکھتا ہوں کہ اقدام کا موقعہ ہے اور اُسی وقت پیچھے ہٹتا ہوں جب دیکھتا ہو کہ پیچھے ہٹنے کا مقام ہے'۔[1]

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سیاسی شعور اور ان کی بالغ نظری کی تعریف و تحسین امیر المومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان الفاظ میں کی ہے:

تذکرون کسری و قیصر و دهاء هما وعندکم معاویه۔[2]
تم کسریٰ و قیصر کی سیاست و تدبّر کو یاد کرتے ہو جب کہ تم میں معاویہ موجود ہیں۔

حلم:۔

ارشاد نبوی ہے:

معاویه احلم امتی واجودها۔[3]
معاویہ میری اُمت میں سب سے زیادہ حلیم اور صاحب جود ہیں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں:

مامن شیئ الذعندی من غیظ الجزعه۔[4]
میرے نزدیک غصہ پی جانے سے زیادہ لذیذ کوئی چیز نہیں۔

ایک مرتبہ کسی نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے سخت کلامی کی۔ اس پر لوگوں نے ازراہِ تعجب کہا کہ امیر المومنین آپ ایسی باتوں میں بھی بردباری سے کام لیتے ہیں۔

---

[1] معاویہ ج ا ص ۳۳۵، [2] تاریخ طبری ج ۵ ص ۳۳۰ و اسد الغابہ ج ۳ ص ۲۲۳، [3] حماۃ الاسلام ج ا ص ۱۶۵۔ [4] طبری ج ۵ ص ۳۳۵

امیر المومنین حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

انی لا احول بین الناس وبین السنتهم مالم یحولوا بنیاد بین سلطاننا ۔ [۱]

میں اس وقت تک لوگوں اور ان کی زبانوں کے درمیان حائل نہیں ہوتا جب تک وہ میرے اور میری سلطنت کے درمیان حائل نہ ہوں۔

امیر المومنین اکثر فرمایا کرتے تھے:

افضل الناس من اذا اعطی شکروا اذا ابتلی صبروا اذا غضب کظم واذا قدر غفروا اذا وعد الجزو اذا ساء استغفر ۔ [۲]

بہترین شخص وہ ہے کہ جسے جب ملے تو شکر کرے اور جب مصیبت میں مبتلا ہو تو صبر کرے جب غصہ آئے تو پی جائے اور جب قدرت ہو تو معاف کرے جب وعدہ کرے تو پورا کرے اور جب کسی سے برائی کرے تو معافی مانگ لے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ریمارک امیر المومنین حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ملاحظہ ہو۔

'وہ اپنے پوشیدہ اسرار سے بلند ہوا اور اپنے اظہار سے اس نے غلبہ پایا۔ اظہار کے ذریعہ اسرار تک پہنچا اور اسے پالیا۔ اس کا حلم اس کے غضب پر غالب ہے اور سخاوت بخل پر۔ صلہ رحمی کرتا ہے۔ قطع رحم نہیں کرتا۔ ملاتا ہے جُدا نہیں کرتا لہٰذا اس کے سب معاملات درست رہے اور وہ اپنی انتہا کو پہنچ گیا'۔ [۳]

---

[۱] طبری ج۵ ص۳۳۶ [۲] البدایہ والنہایہ ج۸ ص۱۴۱ [۳] العقد الفرید ج۲ ص۳۳۵

جذبۂ خدمت خلق:-

سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک نہایت باوقار اور صاحب علم بزرگ تھے، حلم و بردباری آپ کا خاصہ تھا، آپ بیک وقت ایک بہترین کاتب، ایک بہترین شاعر، ایک بہترین مدبّر، ایک بہترین حکمراں اور ایک بہترین خطیب تھے۔ شجاعت و بسالت آپ کے گھر کی لونڈی تھی اور علم و حکمت زرخرید غلام۔ **تفقه فی الدین** میں تو ترجمان القران سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی شہادت کافی ہے وہ فرماتے ہیں :

اصاب فانه فقیه [۱] ٹھیک ہے بیشک معاویہ فقیہ ہے۔

مسعودی صاحب جیسا غالی مورخ بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ لکھے بغیر نہیں رہتا کہ:

'آپ دربار میں جانے سے قبل روزانہ مسجد میں جاکر کمزور و ناتواں اور نادار لوگوں اور لاوارث بچوں کی شکائتیں سنتے اور اُن کا تدارک کرتے۔ بلکہ اشراف و اعیان تک کو یہ ہدایت دی گئی تھی کہ جو لوگ کسی وجہ سے میرے پاس نہیں پہنچ سکتے اُن کی ضروریات مجھے بیان کیا کریں'۔ [۲]

بچوں کی پرورش:-

رعایا کے بچوں کی پرورش کے لیے عہد فاروقی میں سب سے پہلے وظیفے مقرر ہوئے، عہد عثمانی میں بھی اسی پر عمل ہوتا رہا۔ عہد معاویہ میں بھی اس سلسلے کو برقرار رکھا گیا۔ مگر بچوں کی غیر معمولی کثرت کے پیش نظر صرف یہ ترمیم کی گئی کہ وظیفہ اس وقت دیا جانے لگا جب بچہ دودھ چھوڑ چکا ہو۔ یعنی اس کی عمر تقریباً دو سال کی ہو چکی ہو۔ عہد فاروقی میں بچہ پیدا ہوتے ہی وظیفہ شروع ہو جاتا۔

---

[۱] بخاری ج۱ ص۵۳۱ [۲] مروج الذهب ج۲ ص۷۲ و معاویہ ج۱ ص۳۵۷

علاوہ ازیں آپ نے متعدد سرکاری کارکن مقرر فرمائے جو روزانہ قریہ بقریہ اور شہر بہ شہر پھر کر اس بات کا پتہ چلاتے کہ کس کے یہاں بچہ پیدا ہوا ہے وہ سرکاری ملازمین نہ صرف بچوں کی پیدائش ہی کا پتہ چلاتے بلکہ یہاں تک خبر رکھتے کہ کس کے یہاں کون مہمان آیا ہے اور کہاں سے آیا ہے اور ان سب حالات سے حکومت کو روزانہ باخبر رکھتے ۔ [۱]

تعمیر مساجد:- عہد معاویہ میں کثرت سے مساجد کی تعمیر ہوئی اور بہت سی مسجدوں کو ضرورتاً توڑ کر از سرِ نو وسیع پیمانے پر بنوائی گئیں مثلاً بصرہ کی جامع مسجد توڑ کر پھر سے بنائی گئی۔ بصرہ میں ہی کابلی طرز کی ایک اور مسجد بنائی گئی۔ مصری مساجد میں میناروں کا رواج نہیں تھا چنانچہ تمام مساجد کے مینار تعمیر کیے گئے [۲] قبرص میں کافی مساجد بنائی گئیں ۔ قیروان کی آبادی میں ایک بہت بڑی مسجد بنائی گئی ۔ [۳]

اس طرح ایک طرف بیشمار مساجد بنوا کے امیر المومنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی عاقبت سنواری، تو دوسری طرف صدائے اللہ اکبر سے پوری اسلامی فضا گونجنے لگی جو کفار و مشرکین کے کانوں کے پردوں سے ٹکرا کر ان سب کو دعوت اسلام دیتی تھی ۔ جس کا قلق 'کفر' کو آج تک ہے۔

غیر مسلموں سے ایفائے عہد:- آپ نے غیر مسلموں سے معاہدات اور اُن کے جذبات کو کبھی نظر انداز نہیں کیا۔ چنانچہ عہد فاروقی میں یوحنا گرجا سے متصل ایک مسجد تھی جس کی توسیع کے پیش نظر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ گرجے کو اسی میں شامل کر لیا جائے۔ لیکن جب عیسائیوں نے ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور اس اقدام کو مذہبی نقصان قرار دیا۔ تو فوراً امیر المومنین نے توسیع مسجد کے ارادے کو ترک کر دیا تا کہ اُن کے مذہبی جذبات کو ٹھیس نہ پہنچے۔ [۴]

---

[۱] ۔ [۲] معاویہ معاویہ ج۱ ص۳۴۹ [۳] الاصابہ ابن حجر ج۳ ص۲۱۹ [۴] فتوح البلدان ص۳۳۱،

ترقی زراعت:-

آپ نے زراعت کی طرف خاص توجہ فرمائی اس کو فروغ دینے کے سینچائی کا معقول انتظام کیا۔ جا بجا نہریں کھدوائی گئیں ۔ جس سے لاکھوں ایکڑ زمین سیراب ہوتی تھی ۔ مدینۃ الرسول کے آس پاس نہر کظامہ، نہر ارزق، اور نہر شہداء وغیرہ نہریں کھدوا کر نوع بنی آدم کے لئے زراعت کے وسائل مہیا فرمایا۔ عہد فاروقی کی 'نہر معقل' کو دوبارہ کھدوا کر صاف کروایا ۔ بخارا کے کوہستان سے بھی ایک نہر نکالی گئی [۱] نہروں کے علاوہ پہاڑوں کے گھاٹیوں کے ہر چہار طرف سے روندھ کر تالاب بنوائے گئے جن میں برساتی پانی جمع ہوتا اور بوقت ضرورت اسی پانی سے آب پاشی کی جاتی ۔ آب پاشی کے اس معقول انتظام کا قدرتی طور پر یہ نتیجہ ہوا کہ صرف مدینہ منورہ کے آس پاس میں نہروں سے ڈیڑھ لاکھ وسق کھجوریں اور ایک لاکھ وسق گندم کی پیداوار ہوگئی تھی ۔ [۲]

محکمۂ ڈاک:- عہد معاویہ میں نقل وحمل (Communications) کا بھی خاصا انتظام بالخصوص ڈاک کے لیے 'البرید' کے نام سے ایک مستقل محکمہ Department اس محکمہ کے تحت ہر بارہ میل کے بعد چوکیاں قائم کی گئیں اور ہر چوکی میں ایک تیز رفتار گھوڑا ہر وقت موجود رہتا تھا۔ علامت (Symbol) کے لیے گھوڑے کی دم تھوڑی سی کاٹ دی جاتی تھی تا کہ ہر ایک بآسانی سمجھ لے کہ ڈاک گھوڑا جا رہا ہے ۔ گھوڑے کے گلے میں ایک گھنٹی لٹکا دی جاتی تھی تا کہ چوکی پر پہنچنے سے پہلے ہی چوکی پر رہنے والوں کو معلوم ہو جائے کہ ڈاک آ رہی ہے۔ اس طرح وہ فوراً نکل پڑتے اور ڈاک کا تبادلہ کر لیتے یونہی منزل بہ منزل ڈاک اور خبروں کو ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچا دیا جاتا ۔ [۳]

---

[۱] فتوح البلدان ۳۳۶ [۲] طبری ج۷ ص۱۶۹ [۳] الفخری ص۹۷

افواج :-

عہد معاویہ میں باقاعدہ فوج کی تعداد دو لاکھ بیس ہزار (۲۲۰۰۰۰) تھی جو مختلف چھاونیوں میں رہتی تھی۔ فوج کا اجمالی نقشہ حسب ذیل ہے۔

کوفہ کی چھاؤنی میں ۶۰ ہزار

بصرہ کی چھاؤنی میں ۸۰ ہزار

مصر کی چھاؤنی میں ۴۰ ہزار

شام کی چھاؤنی میں ۶۰ ہزار [1]

اختلاف موسم کے پیش نظر فوجوں کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا تا کہ اسلامی دفاع میں تغیرات موسم اثر انداز نہ ہو سکے۔

(۱) شتائیہ (یعنی سرمائی فوج)

(۲) صائفہ (یعنی گرمائی فوج) [2]

اس کے علاوہ ایک مخصوص (Reserve) فوج بھی بنائی گئی اور اس کو بھی دو حصوں میں بانٹ دیا گیا۔

(۱) بری (یعنی زمینی فوج)

(۲) بحری (یعنی سمندری فوج)

---

[1] التمدن الاسلامیہ ج ۱ ص ۱۲۶ [2] محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ ج ۲ ص ۴۹۲

جہاز سازی کے کارخانے :-

اسلامی بحریہ کی مزید ترقی کے لے ملک کے ساحلی علاقوں میں متعدد جہاز سازی کے کارخانے قائم کئے گئے پہلا کارخانہ ۵۴ھ میں مصر میں قائم ہوا۔ [1]

علامہ بلا زری رقم طراز ہیں :

'پہلا جہاز سازی کا کارخانہ ۵۴ھ میں مصر میں قائم ہوا۔ بعد ازاں اردن میں عکا کے مقام پر ایک عظیم الشان کارخانہ قائم ہوا۔ ملک کے تمام کاریگر اور بڑھئی جمع کر کے ان کو تمام ساحلی علاقوں میں بسایا گیا تا کہ ان کارخانوں کے لیے لیبر (Labour) کی کوئی دقت نہ رہے۔ [2]

حضرات عبداللہ بن قیس الحارثی اور جنادہ بن ابی اُمیہ رضی اللہ عنہما امیر البحر ہونے کے علاوہ ان کارخانوں کے نگراں بھی تھے۔ [3]

عہد امیر المومنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فی الواقع بحری جنگوں کے عروج و شباب کا زمانہ تھا۔ اس زمانہ میں جتنی بحری لڑائیاں لڑی گئیں ان کی نظیر تاریخ کے اوراق میں بہت کم ملتی ہے۔ [4]

چنانچہ بحریہ کے کمانڈر ان چیف حضرت عبداللہ بن قیس الحارثی رضی اللہ عنہ نے کم و بیش پچاس بحری لڑائیوں میں بحیثیت امیر البحر شرکت فرمائی اور خوبی یہ ہے کہ ان تمام لڑائیوں میں ایک بھی مسلمان شہید نہیں ہوا۔

---

[1] حسن المحاضرہ ص ۱۹۹، [2] فتوح البلدان ص ۱۲۲، [3] معاویہ ج ۱ ص ۳۶۰، [4] معاویہ ص ۳۶۱۔

مالیات:- عہد معاویہ میں یہ محکمہ نہایت مضبوط اور توانا تھا اور اس کے وسائل مندرجہ ذیل تھے

۱۔ 'خراج' خلیفۃ المسلمین جن علاقوں کو فتح کر کے غیر مسلموں کے ہی قبضہ میں رہنے دے اور صلح و مصالحت کے تحت اس علاقے کی زمین کے لیے جو مال گذاری مقرر کرے اس کو اصطلاح شرع میں خراج کہتے ہیں۔

۲۔ 'جزیہ' وہ کفار اور اہل کتاب جو اسلامی اقتدار کو تسلیم کر کے سالانہ تھوڑا سا ٹیکس دیتے ہیں تا کہ اسلامی اقتدار میں وہ مامون و محفوظ رہیں۔ اسی ٹیکس کو جزیہ کہا جاتا ہے۔

۳،۴ **'زکوٰۃ و صدقات'** ان دونوں کی تفصیل اس قدر مشہور و معروف ہے کہ بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔

۵۔ 'خمس' مال غنیمت اور دفینہ سے نکلے ہوئے سونے چاندی وغیرہ سے پانچواں حصہ سرکاری خزانے میں جمع کیا جاتا ہے۔

۶۔ 'ضرائب' اگر بیت المال اور مال فئے، اور فقراء اور اہل حاجت کی معاشی حاجتوں کو پورا نہ کر سکیں تو خلیفۃ المسلمین اہل ثروت اور اغنیاء پر مزید ٹیکس عائد کر کے اُن کی ضروریات کو پوری کر سکتا ہے اور اگر اہل ثروت اور اہل دولت اس کے مانع ہوں تو اُن سے سختی کے ساتھ وصول کیا جا سکتا ہے۔

۷۔ 'محصول' **ویجبر السلطان علیٰ ذلك**[1]

اسے فقہی اصطلاح میں 'عشور' کہتے ہیں۔ یہ وہ محصول ہے کہ جو دارالحرب اور دارالسلام کے درمیان تجارتی کاروبار جاری رکھنے والوں سے لیا جاتا ہے۔ خواہ تاجر مسلمان ہو، ذمی ہو، کافر ہو، یا حربی، البتہ محصول میں فرق ضرور ہے۔

[1] محلی لابن حزم۔

۸۔ 'فئے' اگر مسلمانوں کے لشکر سے کفار مغلوب و مرعوب ہو کر بغیر جنگ کئے مال چھوڑ کر بھاگ جائیں۔ یا جنگ کے بعد اُن کی زمینوں کو مقررہ ٹیکس پر اُن ہی کے قبضہ میں رہنے دیا جائے یا اُن پر خراج اور جزیہ مقرر کیا جائے تو ان سب صورتوں میں اس حاصل شدہ مال کو مال 'فئے' کہا جاتا ہے۔

۹۔ 'عشر' عشر اس مقرر حصہ کا نام ہے جو زکوٰۃ کی طرح زمین کی پیداوار پر واجب ہوتا ہے اور پیداوار ہی میں سے لیا جاتا ہے۔

۱۰۔ کراء الارض خلیفۃ المسلمین حکومت کی جس زمین کو سالانہ لگان مقرر کر کے کاشت کے لیے دے دیتا ہے اس وصول شدہ رقم کا نام کراء الارض کہلاتا ہے۔[1]

صوبوں کی آمدنی:- متذکرۃ الصدر مدات سے امیر المومنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مملکت کے مختلف صوبوں سے مندرجہ ذیل آمدنی تھی۔

صوبہ	آمدنی
۱- عراق اور اس کے ملحقات	۶۵۵ ملین درہم
۲- سواد اور اس کے ملحقات	۱۳۰ ملین درہم
۳- صوبہ فارس	۷۰ ملین درہم
۴- اہواز اور اس کے ملحقات	۴۰ ملین درہم
۵- یمامہ اور بحرین	۱۵ ملین درہم
۶- کوردجلہ	۱۰ ملین درہم
۷- نہاوند، دینور اور ہمدان	۴۰ ملین درہم

[1] ردالمختار ج ۳ ص ۲۵۳۔

۸-	رے اور اس کے ملحقات	۳۰ ملین درہم
۹-	حلوان	۳۰ ملین درہم
۱۰-	موصل اور اس کے ملحقات	۴۵ ملین درہم
۱۱-	آذر بائیجان	۳۰ ملین درہم
۱۲-	مصر	۳ ملین درہم
۱۳-	الجزیرہ	۵۵ ملین درہم
۱۴-	فلسطین	۴۵ ملین درہم
۱۵-	اردن	۱۸۰ ملین درہم
۱۶-	دمشق	۴۵۰ ملین درہم
۱۷-	حمص	۳۵۰ ملین درہم
۱۸-	قنسرین اور اس کے ملحقات	۴۵۰ ملین درہم [۱]

عدالت:-

عدلیہ کو بالکل آزاد رکھا گیا تھا، یہاں تک کہ قاضی امیر المومنین کو بھی عدالت میں طلب کرسکتا تھا۔ قاضی حضرات کتاب وسنت کی روشنی میں اپنا کام کرتے تھے۔ ......منصب قضا عموماً صحابۂ کرام کے سپرد تھا۔ [۲]

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے پہلے فضالہ بن عبداللہ الانصاری اور ان کے بعد ابو ادریس الخولانی (رضی اللہ عنہما) کو محاکمۂ قضا کا انچارج مقرر فرمادیا تھا۔

۱ النظم الاسلامیہ ص ۲۳۴، ۲ ابن الاثیر ج ۳ ص ۲۶۲ و معاویہ ج ۱ ص ۳۵۷۔

الغرض جب آپ امیر المومنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی پوری زندگی پر نہایت دیانتداری کے ساتھ نظر دوڑائیں گے تو آپ کو اس حقیقت کا اعتراف کرنا پڑے گا کہ انھوں نے اپنے عہد خلافت میں مسجدیں بنوائیں۔ نمازیں قائم کیں ایتائے زکوٰۃ کیا۔ اچھی باتوں کا حکم کیا اور بری باتوں سے روکا۔

اور قرآنی بولی میں خلافت راشدہ ومرشدہ وہی ہے جس میں مذکورہ بالا اُمور پائے جائیں۔

﴿اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ (الحج/۴۱)

وہ لوگ جنھیں ہم زمین پر جب حکومت عطا کرتے ہیں تو وہ اقامت نماز اور ایتائے زکوٰۃ کرتے ہیں۔ نیک باتوں کا حکم اور بری باتوں سے روکتے ہیں۔

گویا خلافت ایک ایسی ریاست ہوتی ہے جس میں دینی اُمور کی تبلیغ وتشہیر اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر پر پوری طاقت وتوانائی کے ساتھ عمل کیا جاتا ہے۔ احکامات الٰہیہ اور ارشادات مصطفویہ کا نفاذ ملک کے گوشے گوشے میں کیا جاتا ہے۔

اب اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فرماں روائی کو 'کتاب وسنت سے متصادم' ثابت نہیں کیا جاسکتا تو لامحالہ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ان کی ریاست فی الواقع اسلامی بولی میں خلافت ہے۔ اُسے ملوکیت سے تعبیر کرنا کتاب وسنت کا صحیح مطالعہ نہیں بلکہ تاریخی پروپگنڈے سے مرعوب ہونا ہے۔

خلافت راشدہ خاصہ، خلافت راشدہ عامہ اور ملوکیت میں جو نمایاں فرق ہے اس کو جانشین حضور محدث اعظم ہند شیخ الاسلام علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی یوں بیان فرماتے ہیں:

'خلافت عامہ گو خلافت خاصہ کی طرح نہیں لیکن اس کے سریر و تخت پر بیٹھنے والا بھی 'بداطوار، جابر اور غیر اسلامی نظریۂ فکر کا حامل' نہیں ہوتا بلکہ اس کی صبح و شام اسلامی قوانین کی روشنی میں گذرتی ہے۔ ان دونوں خلافتوں کے علاوہ جو دوسری حکومتیں ہیں وہ خلافت نہیں بلکہ ملوکیت ہیں'۔ [۱]

مزید فرماتے ہیں:

'اس پوری تحقیق کا خلاصہ یہ ہوا کہ نہ تو خلافت خاصہ کو غیر اسلامی کہا جا سکتا ہے اور نہ خلافت عامہ کو۔ اس لیے کہ اگر خلافت عامہ غیر اسلامی ہوتی تو اس کے تخت وَ سریر پر بیٹھنے والوں کو رسالت کی زبان حق ترجمان خلفاء بلفظ دیگر اپنا خلیفہ نہ فرماتی'۔ [۲]

مسئلہ ولی عہدی:-

مفتی آگرہ علیہ الرحمہ والرضوان فرماتے ہیں مسئلہ خلافت کی کوئی تفصیل نہ قرآن کی آیت میں ہے نہ حدیث میں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ فعل موجود ہے کہ انھوں نے اپنی زندگی میں اپنے بعد کے خلیفہ کا تعین فرمادیا۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ جائز ہے کہ خلیفۂ وقت اپنے بعد کے خلیفہ کا انتخاب کرسکتا ہے یہ حرام اور ناجائز نہیں'۔ [۳]

اب میں یہ کہتا ہوں کہ سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے خلیفہ ہونے سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ باپ کے بعد بیٹا خلیفہ ہوسکتا ہے۔ ان دونوں باتوں کو ملا کر غور کرنے سے نتیجہ وہی نکلتا ہے جو مفتی آگرہ مرحوم نے پیش کیا۔

[۱] حاشیہ اسلام کا نظریہ عبادت اور مودودی صاحب ص ۱۲۸، [۲] ایضاً ص ۱۳۰، ۱۳۱ [۳] صیانۃ الصحابہ ص ۱۶۴

'پس اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد کے لیے یزید (پلید) کو نامزد کردیا تو شرعاً کوئی فعل حرام نہ کیا۔ لیکن شرط یہ ہے کہ وہ عہدۂ خلافت کی اس وقت اہلیت رکھتا ہو۔ چنانچہ اس وقت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کو اس کے لائق سمجھا چنانچہ ان کے خطبہ سے ظاہر ہے۔

اللّٰھم ان کنت عھدت یزید لما رأیت من فضله فبلغه ما املته واعنه الخ اے اللہ اگر میں نے یزید کو نامزد کیا اس وجہ سے کہ اس کو اس کے لائق سمجھا تو میری امید پوری فرمادے اور اس کی مدد فرما۔ (تاریخ الخلفاء)

یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اپنی زبان سے بیان ہے جس سے ظاہر ہے کہ وہ اس میں صلاحیتِ خلافت سمجھ رہے'۔ [۱]

حضور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے جلیل القدر صاحبزادے اور لاجواب فقیہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک ارشاد تاریخ الخلفاء میں درج ہے۔ اس ارشاد میں یزید (پلید) کے فسق سے لاعلمی کی تصریح ہے:

عن ابن المنکدر قال، قال ابن عمر حین بویع یزید ان کان خیرا رضینا وان کان بلاء صبرنا۔ ابن منکدر کا بیان ہے کہ یزید کی بیعت کے بعد عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اگر یزید (پلید) اچھا ثابت ہوا تو راضی رہیں گے اگر مصیبت بنا تو صبر کریں۔

گویا حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما یزید پلید کے فسق کے بارے میں کسی فیصلہ کن منزل پہ نہیں تھے۔ یہی وجہ ہے کہ نہ صرف حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، بلکہ حضرات ابنِ علی

[۱] تاریخ الخلفاء ص ۱۳۸۔

اور حضرت ابن الزبر رضی اللہ عنہم کسی نے بھی ولی عہدی کی مخالفت اس بنیاد پر نہیں کی کہ یزید پلید فاسق وفاجر ہے لہٰذا ولی عہدی کی بیعت ہم نہ کریں گے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو یزید کی ولی عہدی سے روکنے کی یہ سب سے بڑی اور محکم دلیل ہو سکتی تھی مگر دورانِ بحث حسینی کیمپ سے کسی کا فسقِ یزید کا تذکرہ نہ کرنا بجائے خود دلیل ہے کہ یزید یا تو اُس وقت فاسق ہی نہیں تھا یا اُس کا فسق سوائے مورخین مخلصین کے کوئی نہیں جانتا تھا۔

علامہ ابن خلدون فرماتے ہیں:

ماحدث فی یزید من الفسق ایام خلافة فایاك ان تظن بمعاویه رضی الله عنه انه علم بذلك من یزید[1]	یزید کے اندر اس کی خلافت میں جو فسق پیدا ہوا خبردار تم ہرگز گمان نہ کرنا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ اسے جانتے تھے۔

جب یزید کا فسق اس کے اپنے عہد میں ظاہر ہوا تو پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر الزام کیسا؟ انھوں نے عادل، مسلمان اور خطیب و عالم سمجھ کر نامزد کیا' اب آگے چل کے وہ خراب ہو گیا تو معاویہ رضی اللہ عنہ کیا کریں؟ کیا وہ عالم الغیب تھے۔ بقول مفتی آگرہ علیہ الرحمہ: 'احوال کے انقلاب میں دیر نہیں لگتی، ابھی بھلا تھا کل خراب ہو گیا'۔ [2]

ایک موقع پر امیر المومنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، یزید (پلید) کو سمجھاتے ہوئے ارشاد فرماتے۔

یایزید اتق الله فقد وطأت لك هذا الامرو <u>ولیت من ذلك ما ولیت فان لك خیرًا</u> سعد به وان كان غیر ذلك شقیت به۔[3]	اے یزید تم اللہ سے ڈرو، پس میں نے تمہارے لیے اس امر کو ہموار کر دیا ہے جس چیز کا والی تھا تمہیں اس کا والی بنا دیا ہے۔ اگر یہ کام بہتر ہوا تو خوش قسمت ثابت ہوں گا اور یہ کام اس کے علاوہ ہوا تو پھر اس کی وجہ سے ناکام و بدنصیب ثابت ہوں گا۔

---

[1] مقدمہ ابن خلدون ص ۱۷٦، [2] صیانۃ الصحابہ ص ۱٦۵، [3] البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۲۲۸۔

خط کشیدہ جملوں سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے کمال اخلاص اور حسن نیت کا پتہ چلتا ہے۔ نیز یزید (پلید) کو ولی عہد بنانے میں جو ملی اور دینی خدمات جذبہ قلبِ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ میں کارفرما تھا اس کی صحیح ترجمانی ہو رہی ہے اور اُس سے اُن کی پاک نیتی اور دیانتداری کا ثبوت بہم پہنچتا ہے۔

اگر دِل ودماغ کو ہر قسم کے تعصب سے پاک کر کے غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ شہادت عثمانی کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ اور طالبان قصاص کا تلوار اُٹھانا اور بعض شامیوں کا حد سے متجاوز ہونا وہ باتیں تھیں جس نے ذہنی طور پر اسلامی جانبازوں کو دو حصوں بنو ہاشم اور بنو اُمیہ میں بانٹ دیا۔ ہاشمیوں اور اُمویوں کے درمیان ایک ایسی خلیج پیدا ہو گئی جسے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے خونِ پسینہ ایک کر کے پاٹا اور الحمدللہ اُن کی خلافت اس اعتبار سے بہت کامیاب رہی چنانچہ علامہ ابو حنیفہ دینوری نہایت واضح الفاظ میں یہ فیصلہ کرتے ہیں:

لم یرالحسن والحسین طول حیاة معاویه منه سوءً فی انفسهما ولا مكروها ولاقطع منها شیئا مما كان شرط مهما ولا تغیر لهما عزیر[1]	حضرات حسنین رضی اللہ عنہما نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی بھر اُن کی طرف سے اپنے بارے میں کوئی برائی نہیں دیکھی اور نہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان دونوں حضرات سے ایسی چیز بند کی جس کی ان کے لیے شرط لگائی گئی تھی اور نہ ان حضرات کے ساتھ حسن سلوک میں فرق آنے دیا۔

اسی طرح رہ رہ کر ذہنِ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ میں یہ بات پیدا ہوتی رہتی تھی کہ ہاشمیوں اور اُمویوں کے درمیان جو صلح و محبت کی فضا ہموار ہو گئی ہے اور آج گلے سے گلا ملا ہوا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ پھر کوئی قضیۂ خلافت پیدا ہو، جو دامنِ اتحاد کو تار تار کر دے۔

---

[1] الاخبار الطوال ص ۲۲٦

افراد بنو ہاشم بہت قلیل اور افراد بنو اُمیہ کثیر ہیں۔ پھر اگر ہاشمی اور اُموی کیمپ بن گئے تو صلح و مصالحت کے امکانات کافی تاریک ہو جائیں گے۔ اس لیے کیوں نہ مسئلہ خلافت کو میں اپنی زندگی میں حل کر دوں اور نامزدگی سے بہتر کوئی حل نہیں۔ یہی ایک ایسی صورت ہے جس کے موجد خلیفہ رسول ﷺ یعنی ابو بکر صدیق ہیں بس اسی کے ذریعہ اُمت کو اختلاف سے محفوظ رکھا جا سکتا ہے۔ اب خلیفہ یا تو ہاشمی ہو یا اُموی۔ کیونکہ قریش کی یہی دو امتیازی اور مہتم بالشان شاخیں ہیں۔ اب اگر وہ کسی ہاشمی کو نامزد کرتے ہیں تو اُمویوں کی بھاری تعداد اُس کے ساتھ نہیں ہوگی اور چند افراد کے سوا اس نامزد ہاشمی کا حامی اور مددگار نہ ہوگا (جیسا کہ مامون نے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کو نامزد کیا تو احتجاجاً عباسیوں نے مامون کی بھی بیعت توڑ دی اور شیرازۂ اتحاد منتشر ہو گیا)۔

اسی لیے اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اُمویوں میں سے کسی کو نامزد کرتے ہیں تو وہ ہاشمیوں کی عدم معاونت کے باوجود وہ مستحکم خلیفہ ہو سکتا ہے کیونکہ اس کی پشت پر اُمویوں کی اکثریت کی طاقت ہوگی اور اس نے اگر صالحیت سے کارہائے خلافت کو انجام دیا تو ہاشمیوں کو میری طرح منانے میں کامیاب بھی ہو سکتا تھا۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اُمویوں میں سے کس اُموی کو نامزد کریں؟ یہ بھی تو تھا کہ وجہ ترجیح کا سہارا لے کر خود اُموی آپس میں لڑ جائیں گے اگر ایسا ہوا تو بھی شیرازۂ اخوت و محبت منتشر ہو جائے گا۔ اسی لیے اُن کی نظر اپنے بیٹے پر پڑی کیونکہ خاندان بنو اُمیہ میں کوئی ایسا نہ تھا جو یزید بن معاویہ سے اختلاف کرتا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی مدبرانہ نگاہوں سے دیکھ رہے تھے کہ اُموی، اُموی کے ساتھ ہے۔ یہی وجہ تو تھی کہ اُمویوں کی اکثریت نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مجھ جیسے

مفضول کے مقابلہ میں ووٹ نہیں دیا تو پھر ان اُمویوں سے یہ امید رکھنا کیونکر درست ہو سکتا ہے کہ وہ یزید بن معاویہ کے مقابلہ میں حسین ابن علی (رضی اللہ عنہما) کو ووٹ دیں گے۔

اسی حقیقت کو پیش نظر رکھتے ہوئے علامہ ابن خلدون نے یزید (پلید) کو ولی عہد بنانے کی وجہ یہی بیان کی ہے۔ وہ مسئلہ ولی عہدی کے بارے میں فرماتے ہیں:

'اگر امام اپنے باپ یا بیٹے کو اپنا ولی عہد مقرر کرتا ہے تو ہم اس پر بدگمانی نہیں کر سکتے۔ کیونکہ جب وہ اپنی زندگی میں سارے اُمور و معاملات میں قابل اعتماد مانا گیا ہے تو وہ اپنی زندگی کے بعد کے معاملات میں جو فیصلہ دے گیا ہے اس میں بھی ہم کو اس پر بدگمانی نہیں کرنی چاہئے۔ اور اس پر کوئی اتہام نہیں لگانا چاہئے یہ بات اُن لوگوں کے مذہب کے خلاف ہے جو یہ کہتے ہیں کہ امام کا اپنے باپ یا بیٹے کو مقرر کرنا باعث اتہام ہے یا جو صرف بیٹے کو ولی عہد بنانا اتہام کا سبب جانتے ہیں نہ باپ کو اور یہ عمل حقیقت میں بدگمانی اور بدظنی سے بہت دور ہے خصوصاً جب کہ کسی خاص مصلحت کا تقاضا بھی اس کے ساتھ شامل ہو۔ یا کسی خاص فتنہ و فساد سے بچاؤ مدِ نظر ہو تو ایسے وقت تو بدظنی کو سرے سے گنجائش نہیں ہوتی۔ جیسا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب اپنے بیٹے یزید (پلید) کو اپنا جانشین بنایا تو اُن کے اس فعل پر بنی اُمیہ کے اربابِ حل و عقد کا اتفاق اُن کے لیے کافی حجت تھا اور اسی اتحاد و اتفاق کی مصلحت کو سامنے رکھ کر انھوں نے اور لوگوں کو چھوڑ کر یزید کو اپنی جانشینی کے لیے چھانٹا۔ یہ صحیح ہے کہ بنی اُمیہ اس وقت یزید (پلید) کے سوا اور کسی اور کی ولی عہدی کے لیے رضامند ہونے والے نہیں تھے۔ اور وہ قریش اور تمام مسلمانوں کی عصبیت اپنی پشت پناہی میں رکھتے تھے۔ خود با اثر تھے اور باشوکت، لہٰذا ان ہی حالات کے پیش نظر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اور بہتر لوگوں کو چھوڑ کر یزید کا انتخاب کیا اور فاضل و بہتر کو نظر انداز کر کے مفضول اور کمتر کو مسند سلطنت پر لائے۔ صرف اس

لالچ سے کہ لوگوں کا اتحاد و اتفاق اور اُن کی رائے میں یک جہتی کہیں ہاتھ سے نہ جاتی رہے جس کے بقا کو شارع علیہ السلام نے بہت اہمیت دی ہے'۔ [1]

مزید فرماتے ہیں:

'ولی عہد کے انتخاب میں عام لوگوں کے رجحان کو بڑا دخل ہے اور زمانے کے رنگ ڈھنگ کا اس پر بہت اثر پڑتا ہے۔ زمانہ جیسے جیسے رنگ پلٹتا ہے۔ حالات دگرگوں ہوتے ہیں قبیلے اور عصبتیں اپنی رفتار بدلتی ہیں ویسے ہی ملک کے تقاضے لوگوں کے رجحانات کچھ کچھ ہوتے جاتے ہیں اور مصلحتیں نئی نئی پیدا ہوتی ہیں پھر ہر ایک کا حکم علیحدہ ہوتا ہے۔ اور ہر ایک بات الگ'۔ [2]

اور مزید فرماتے ہیں:

'اگر معاویہ طریق عمل بدلتے اور تقاضائے سلطنت کو نظر انداز کر کے لوگوں سے مخالفت کرتے تو جو اتحاد و اتفاق وہ پیدا کر چکے تھے وہ یک بیک ختم ہو جاتا، حالانکہ سلطنت کے تقاضے اور اتحاد و اتفاق کا وجود ان اُمور سے کہیں زیادہ اہم اور قابل رعایت تھے جو پیش آئے اور جن کے وقوع کے بعد کسی بڑی مخالفت کا اندیشہ نہ رہا۔ چنانچہ عمر بن عبدالعزیز، قاسم بن محمد بن ابی بکر کو دیکھ کر کہا کرتے تھے کہ اگر مجھے اختیار ہوتا تو میں اُن کو خلافت دیتا۔ اور اگر وہ قاسم کو ولی عہد مقرر کرنا چاہتے تو کر بھی سکتے تھے۔ لیکن بنی اُمیہ کے ارباب حل و عقد سے خوف زدہ تھے کہ بنی اُمیہ میں سے سلطنت نکل جانے پر کہیں اُن میں نا اتفاقی اور پھوٹ نہ پڑ جائے'۔ [3]

---

[1]، [2] مقدمہ ابن خلدون (اردو) ص ۲۴۰، ۲۴۲ [3] مقدمہ ابن خلدون ص ۲۳۵۔

آگے فرماتے ہیں:

'لہٰذا اگر معاویہ رضی اللہ عنہ عصبیت کے تقاضے کے خلاف یزید (پلید) کے علاوہ کسی اور کو مسند امامت پر لاتے تو اس کی امامت قبول کون کرتا، اور دیکھتے دیکھتے وہ ختم ہو جاتی اور قوم اختلاف کا شکار ہوتی وہ بھی ظاہر ہے'۔ [1]

مزید فرماتے ہیں:

'معاویہ نے یزید کو اپنا ولی عہد بنایا کہ اگر ایسا نہ کرتے تو شورش مچ جاتی۔ کیونکہ بنو اُمیہ اپنے خاندان سے سلطنت کے منتقل ہونے کو کسی قیمت پر گوارا کرنے کے لیے تیار نہ تھے اگر معاویہ (رضی اللہ عنہ) کسی اور کو ولی عہد بناتے تو بنی اُمیہ خود اس پر پلٹ پڑتے۔ گو اس کے ساتھ پہلے سے کس قدر بھی حسن ظن ہوتا اور اس کی خوبی میں کسی کو بھی شک و شبہ نہ ہوتا ورنہ اس کے خلاف معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے بارے میں کوئی خیال کرنا انصاف کا خون کرنا ہے۔ اُن سے یہ کب ہو سکتا تھا کہ یزید (پلید) کے فسق و فجور کو جانتے ہوئے اُس کو اپنا ولی عہد مقرر کر جاتے۔ خدا کی پناہ اُن کے بارے میں ایسی بدظنی سے'۔

ان تصریحات سے امیر المومنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اجتہاد و نیت اور یزید ابن معاویہ کے صحیح حالات کا بخوبی علم ہو جاتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید پلید کو اپنی زندگی میں ولی عہد کیوں بنایا۔

---

[1] مقدمہ ابن خلدون ص ۲۴۱۔

وصیت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ:

امام ابن کثیر اپنی کتاب البدایہ والنہایہ میں ایک وصیت حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی درج فرماتے ہیں، طوالت سے بچنے کے لیے میں صرف ترجمہ پیش کرتا ہوں۔

'اے یزید تم اللہ سے ڈرو، پس میں نے تمہارے لیے اس امر کو ہموار کر دیا ہے اور میں جس چیز کا والی تھا تمہیں اس کا والی بنا دیا۔ اگر یہ کام بہتر ہوگا تو اس سے خوش قسمت ثابت ہوں گا اور اگر یہ کام اس کے علاوہ ہوتا تو پھر اس کی وجہ سے ناکام اور بدنصیب ثابت ہوں گا، لوگوں سے نرمی کا برتاؤ کرتے رہنا اور تمہیں ایذا دینے والی چیزیں اگر اُن سے واقع ہوں تو نظر انداز کر دینا اس سے تمہاری زندگی آرام سے گزرے گی اور حق میں رعایا کی اصلاح ہوگی، غیظ وغضب اور جھگڑے کی باتوں سے بچتے رہنا کیونکہ یہ شئے تمہارے لیے اور تمہاری رعایا کے لیے باعثِ ہلاکت ہوگی۔ نیک اور بزرگ لوگوں کا لحاظ رکھنا اور اُن کی توہین اور اُن کے ساتھ تکبر اور غرور سے پیش آنے سے ہمیشہ بچتے رہنا۔ لیکن اُن کے لیے اتنا نرم بھی نہ ہو جانا کہ وہ اس کو کمزوری اور ناتوانی پر محمول کرنے لگیں۔ دربار میں انھیں مقرب ہونے دینا ان کو اپنے قریب تر رکھنا تاکہ وہ تیرا حق پہچان لیں۔ نہ اُن کی توہین کرنا نہ اُن کے حقوق میں کمی کرنا ورنہ وہ تیری توہین کریں گے اور تمہارے حقوق میں کمی کرنے کے درپے ہوں گے اور تمہارے راستے میں رکاوٹ بنیں گے، جب تو کسی کام کا ارادہ کرے تو نیک اور اہل تقویٰ حضرات میں سے اہل سن و تجربہ حضرات کو بلا کر مشورہ کرو اور اُن کی (طے شدہ) رائے کے بالمقابل خلاف نہ کرنا اور اپنی ضد پر اڑنے

سے بھی پرہیز کرنا۔ کیونکہ ایک شخص کی رائے کی کوئی قدر وَ قیمت نہیں ہوتی۔ جس بات سے تمہیں آشنائی ہو اُس کے بارے میں اگر تمہیں مشورہ دے تو اُس کی تصدیق کرنا۔ لیکن ان اُمور کو عورتوں اور خدام سے پوشیدہ رکھنا۔ ہر وقت مستعد رہنا اور اپنے لشکر کی اصلاح اور (بُری چیزوں سے) حفاظت کرنا اور اپنے نفس کی اصلاح کرتے رہنا۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ تیرے حق میں لوگوں کی اصلاح ہو جائے گی۔ اُن کو اپنے بارے میں خوشہ چینی کا بالکل موقع نہ دینا۔ کیونکہ لوگ بُرائی کی طرف جلد متوجہ ہوتے ہیں۔ نماز (جماعت) میں ہمیشہ حاضر رہنا۔ پس اگر تو نے میری ان نصیحتوں پر عمل کیا تو لوگ تمہارے حقوق سے آشنا ہو جائیں گے اور تمہاری مملکت عظیم تر ہو جائے گی۔ اور لوگوں کی نگاہوں میں تمہارا وقار بڑھ جائے گا۔

بیٹا! دیکھو اہل مکہ اور اہل مدینہ کے مرتبہ کو نگاہ میں رکھنا، کیونکہ وہی تمہاری اصل اور تمہارے خویش وَ اقارب ہیں اور شام کے لوگوں کے وقار کا بھی تحفظ رکھنا کیونکہ وہ بھی تمہارے فرماں بردار ہیں۔ سب شہروں اور علاقوں میں ایسے فرامین بھیجتے رہنا جن میں اُن کے ساتھ نیک سلوک کا عہد ہو کیونکہ اس طرح اُن کی امیدیں بڑھ جائیں گی۔ جب مختلف علاقوں سے وفد تمہارے پاس آئیں تو ان سے نہایت تعظیم و تکریم سے پیش آنا۔ کیونکہ وہ اپنے پچھلے والے لوگوں کے نمائندہ ہوتے ہیں۔ چغل خوروں اور بدگوؤں کی باتوں کو ہرگز نہ سننا کیونکہ میری رائے میں وہ بدترین مشیر ہوتے ہیں'۔

علامہ طبری نے تاریخ الامم والملوک جلد ۶ صفحہ ۱۷۹، ۱۸۰ پر ابوحنیفہ الدینوری نے اخبار الطوال صفحہ ۲۶۶ پر اور الحضری نے محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ جلد ۲ صفحہ ۱۲۲ پر وصیت کے نام پر کچھ موضوع عبارتیں بھی درج فرمائی ہیں۔ بقول واضع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید سے فرمایا:

'بیٹا! حکومت کے معاملہ میں تم سے اختلاف کرنے کا خطرہ سوائے قریش کے چار آدمیوں کے اور کسی سے نہیں اور چار آدمی یہ ہیں

۱- حسین ابن علی ۲- عبداللہ ابن الزبیر ۳- عبدالرحمٰن بن ابی بکر ۴- عبداللہ ابن عمرؓ۔

جب حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے یزید کے ہاتھ پر بیعت کی تو پھر اُن سے خطرہ چہ معنی دارد۔ (ملاحظہ ہو صحیح بخاری)

اور پھر یہ وصیت بستر مرگ پر ۶۰ ھ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کی تھی اور حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما ۵۳ ھ میں واصل بحق ہو چکے تھے۔ اب ایک ایسا آدمی جو 'وصیت' سے سات سال پہلے انتقال کر چکا ہو اُس کے متعلق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جیسا باہوش اور مدبّر انسان یہ کس طرح کہہ سکتا ہے کہ مجھے خلافت کے بارے میں (وفات یافتہ) عبدالرحمٰن بن ابی بکر (رضی اللہ عنہما) یا بیعت کرنے والے عبداللہ ابن عمر (رضی اللہ عنہما) سے خطرہ ہے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

افسوس ہے اس واضع پر جس نے وصیت گڑھی بھی تو اس بیوقوفی سے کہ تاریخ کا معمولی طالب علم بھی اُس کی تردید کر سکتا ہے۔

بہرحال یزید کو وصیت کرنے کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے خاندان والوں کو مخاطب کر کے فرمایا۔

'میں اپنا آدھا مال مسلمانوں کے لیے بیت المال میں دیتا ہوں'۔ [۱]

پھر تجہیز و تکفین کے بارے میں فرمایا:

'میرے پاس نبی کریم ﷺ کا جو کرتہ چادر اور تہہ بند ہے اس کا کفن بنانا، اور جو میرے پاس حضور ﷺ کے بال اور ناخن ہیں وہ میرے منہ میں اور ناک میں بھر دینا۔' [۲]

تاریخ الخلفاء میں

وكان عنده شيئ من شعر رسول الله صلى الله عليه وسلم وقلامة واظفاره فاوصى ان تجعل فى فمه وعينه وقال افعلوا ذلك وخلوا بيني وبين ارحم الراحمين۔ [۳]

رسول اللہ ﷺ کے تراشیدہ بال اور ناخن آپ کے پاس تھے آپ نے وصیت کی تھی کہ میرے مرنے کے بعد میرے منہ اور آنکھوں میں رکھ دیئے جائیں اور پھر مجھے میرے اور میرے ارحم الراحمین پر چھوڑ دیا جائے۔

مقام غور و فکر ہے کہ جو موت کے وقت یہ نصیحت کرے اور حضور اکرم ﷺ کے تبرکات سے محبت کرتے ہوئے برکت حاصل کرے اُس کے وصال بر اسلام پر کیا کسی شک و شبہ کی گنجائش ہے۔

اہل سنت و جماعت کو بدعتی کہنے والوں کے لیے یہ لمحہ فکر ہے کہ جس تعظیم رسول ﷺ کے جذبہ بے پناہ کی بنیاد پر وہ سنیوں کو بدعتی کہہ بیٹھتے ہیں۔ وہی عشق و محبت کا جذبہ بے پناہ صحابی رسول حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں بدرجہ اتم موجود ہے۔ جس کا مقابلہ اور موازنہ آج کوئی انسان کر ہی نہیں سکتا۔

---

۱ ابن الاثیر ج ۳ ص ۲۶۰، ۲ البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۴۲ او مشکوۃ، ۳ تاریخ الخلفاء ص ۱۳۹۔

قربان جائے قدم ناز معاویہ رضی اللہ عنہ پر جنھوں نے عملاً ثابت کر دیا کہ جو چیز رسول اعظم ﷺ سے منسوب و متعلق ہو اُس کی تعظیم و تکریم ایک جلیل القدر صحابی کے نزدیک بھی موجب نجات ہے۔

اے اللہ تو ہم سب کو راہِ معاویہ (رضی اللہ عنہ) پر چلنے کی توفیق عطا فرما۔ تعظیم و محبت کو بدعت کہنے سے بچا۔ (آمین)

الغرض وصیت کے مطابق تجہیز و تکفین ہوئی اور حضرت ضحاک ابن قیس (رضی اللہ عنہ) نے نماز جنازہ پڑھائی اور مسلمانوں کا امیر و خلیفہ اٹھہتر سال (۷۸) کی عمر میں آنکھیں بند کر رہا ہے۔ جب دست اجل نے اپنی مضبوط گرفت میں لے لیا تو لوگوں نے سر زمین دمشق میں نہایت رنج و ملال کے ساتھ اس اسلامی ہلال کو آغوش قبر میں میٹھی نیند سلا دیا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

دفاعِ سیّدنا امیر معاویہ

رضی اللہ الجواد الجلیل عنہ ۲۰۱۳ء

رسائل فی افضال معٰویہ

۱۴۳۴ھ



جلد اوّل

۱- رسالہ فی فضل معاویہ: شیخ محمد حیات سندھی

مترجم: مولانا محمد عبداللہ فہیمی سندھی

۲- تصحیح العقیدہ فی باب امیر معاویہ: مولانا عبدالقادر بدایونی

مترجم: علامہ سیّد شاہ حسین گردیزی

۳- حضرت سیّدنا امیر معاویہ کے بارے کیے گئے چند سوالات کے جوابات:

علامہ محمد عبدالرشید جھنگوی

۴- صافیہ لما وقع بین علیؓ و معاویہ: پیر سائیں غلام رسول قاسمی

۵- الناہیہ عن طعن امیر المومنین معاویہ: علامہ عبدالعزیز پرہاروی

مترجم: علامہ محمد اعظم سعیدی

دفاعِ سیّدنا امیر معاویہ

رضی اللہ الجواد الجلیل عنہ ۲۰۱۳ء

رسائل فی افضال معٰویہ

۱٤۳٤ھ

تقدیم و ترتیب

محمد رضاء الحسن قادری

جلد دوم (زیرِ طبع)

۱- حلم معاویہ: اِمام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن عبید ابن ابی الدنیا

۲- القول الرضی: مخدوم شیخ محمد ابراہیم ٹھٹھوی سندھی

۳- شانِ امیر معاویہ: اِمام المحدثین سیّد دیدار علی شاہ محدث الوری

۴- سیّدنا امیر معاویہ: محدثِ اعظم پاکستان مولانا سردار احمد قادری

۵- العقیدۃ الصافیہ: حضرت مولانا محمد عبدالجلیل گیاوی

۶- فضائل حضرت امیر معاویہ: مولانا قاضی غلام محمود ہزاروی

۷- شانِ امیر معاویہ: مولانا ابوالحقائق غلام مرتضٰی ساقی

ان شاءاللہ عن قریب منظرِ عام پر جلوہ افروز ہوگی



والضحیٰ پبلی کیشنز

ہادیہ حلیمہ سنٹر، غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور۔ پاکستان
Ph:042-37300651
Cell:0300-7259263,0315-4959263